Regd. L. No.7243

Phone, 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

مئی 1972

اس پرچہ میں

پرویز صاحب کا فکر انگیز خطاب

آئندہ پرچہ

کنونشن نمبر

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵ بی - گلبرگ - لاہور

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

قیمت فی پرچہ

ایک روپیہ

ٹیلی فون

۸۰۸۰۰

خط و کتابت

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵/بی گلبرگ لاہور

بدل اشتراک

پاکستان

سالانہ ———— دس روپے

غیر ممالک

سالانہ ———— ایک پونڈ

جلد (۲۵) مئی ۱۹۷۲ء نمبر (۵)

فہرست

(۱) لمعات ———— ۲

(۲) شمعِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کردے ———— (کنونشن میں محترم پرویز صاحب کا خطاب) ۹

(۳) دین کے معاملہ میں محتاط رہیے ———— ۴۱

(۴) خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے ———— (محترم خورشید عالم صاحب) ۵۲

(۵) حقائق و عبر ———— (علماء بورڈ۔ فرقے نہیں مکاتبِ فکر۔ میت انتہا جبا کی تیموری گھر سے) ۵۸

ایڈیٹر: محمد طفیل۔ ناشر: سراج الحق۔ مقام اشاعت: ۲۵/بی گلبرگ لاہور۔ پرنٹر: شیخ محمد اشرف۔ مطبوعہ اشرف پریس۔ ایبک روڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

تری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

سالِ گزشتہ انہی دنوں بلکہ یوں کہئے کہ جنوری ۱۹۷۱ء سے لیکر دسمبر تک جو کچھ مشرقی پاکستان میں ہوا اسے چشمِ تصور میں لائیے صاف نظر آجائیگا کہ دسمبر میں ہم جس تباہی سے دوچار ہوئے وہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ وہ آخری کڑی تھی ایک ایسے سلسلہ کی جس کی ابتداء بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اس سلسلۂ دراز کی دلخراش داستان کیا ہے وہ اسی پرچہ میں چند صفحات آگے چل کر پرویز صاحب کے اس استقبالیہ میں سامنے آجائے گی جس سے انہوں نے طلوع اسلام کنونشن سے خطاب کیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ عہد آفریں خطاب ہر صاحب عقل و ہوش کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ اس وقت ہم قارئین کی توجہ ان حرکات کیطرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جو سال گزشتہ کے ابتدائی تین ماہ (جنوری مارچ ۱۹۷۱ء) میں ظہور میں آتی رہیں۔ ایسا کرنے کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی ہے یہ حقیقت چند سطور کے بعد آپکے سامنے آجائے گی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ مجیب ایک ایک قدم پر اعلان کر رہا تھا کہ میرا ارادہ پاکستان سے علیحدگی کا قطعاً نہیں۔ میں صرف صوبائی خودمختاری چاہتا ہوں۔ اس سلسلہ میں وہ اپنے "چھ نکات" کی مختلف تعبیریں پیش کرتا رہا۔ یحییٰ خان اور مختلف پارٹیوں کے نمائندگان سے گفت و شنید شروع ہوئی۔ اس ضمن میں وہ ایک دن ایک بات کہتا۔ دوسرے دن اس سے مکر جاتا۔ ایک فارمولا وضع کرتا پھر خود ہی اس سے پھر جاتا۔ وہ اس طرح ان سب کو چکمہ دیتا رہا اور اندر ہی اندر فوجی تیاریاں کرتا رہا۔ اپنی مکتی باہنی کو عرصے والنٹیر کور بتاتا رہا اور اس کے ساتھ ہی اسے پوری فوجی ٹریننگ دیکر کیل کانٹے سے لیس کرتا چلا گیا۔ اسلحہ کا کافی ذخیرہ جمع کر لیا۔ آبادی کا ایک کثیر حصہ بھارت کیطرف منتقل کر دیا جب اس طرح اپنی تیاریاں مکمل کر لیں تو باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔ ادھر انڈیا نے پناہ گزینوں کے مسئلہ کو سیاسی حربے کے طور پر استعمال کر کے اپنی فوجیں پاکستان کے صوبہ مشرقی پاکستان میں بھیجنی شروع کر دیں اس ساری کارروائی کے پیچھے روس کی طاقت کارفرما تھی۔ وہ بھی چلمنی انداز سے میدانِ کارزار میں اتر پڑا۔ یحییٰ خان نے اس سلسلہ میں کیا کردار ادا کیا اس کا تفصیلی علم حمود الرحمٰن کمیشن کو ہو سکتا ہے۔ ہمیں اتنا ہی معلوم ہے کہ پاکستان کی ایک لاکھ فوج اور مملکت کا آدھا حصہ بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بعد مجیب اور اسکے تمام ساتھی بحفاظت وہاں پہنچ گئے اور "بنگلہ دیش" کے نام سے ایک کٹھ پتلی حکومت وجود میں آگئی۔

اب سنئے یہ کہ ہم نے اس جگر سوز داستان کو دہرانے کی ضرورت کیوں سمجھی ہے؟ یحییٰ خان یہ کچھ کر کے رخصت ہوا اور اسکے بعد مسٹر بھٹو نے زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ لی تو مغربی پاکستان کے دو صوبوں۔ سرحد اور سندھ میں اسی قسم کی نقل و حرکت شروع ہو گئی جس کا آغاز جنوری ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں ہوا تھا۔ ۱۱ اپریل ۱۹۷۲ء کے روزنامہ مشرق میں شوکت صدیقی صاحب کے قلم سے ایک معلومات افزا مقالہ شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے اس راز سے پردہ اٹھایا ہے کہ جولائی ۱۹۷۱ء میں مشہور روسی مصنف کانکوویکی نے اپنی ایک ملاقات کے دوران باوثوق انداز سے کہا کہ مشرقی پاکستان آئندہ سال پاکستان سے علیحدہ ہو جائیگا اسکے بعد اس نے کہا کہ

پاکستان ایک قوم نہیں۔ پانچ مختلف قوموں کا ملک ہے' لہذا اسکا ایک ملک اور ایک قوم کی حیثیت سے برقرار رہنا بہت مشکل ہے۔

اپنے اس موقف کی تائید میں اس نے اپنی دو انگریزی تصانیف کا بطورِ خاص ذکر کیا۔ یہ تصانیف یہ ہیں۔ تاریخ پاکستان۔ اور پاکستان کے عوام۔ ان میں اس نے یہی فلسفہ پیش کیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ تاریخی، معاشرتی، ثقافتی اعتبار سے پاکستان بنگالی' پنجابی، سندھی، پشتو اور بلوچی قوموں کا علاقہ ہے۔ نظریۂ پاکستان اس کے سوا کچھ نہیں کہ برطانوی نوآبادکاروں نے لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کے تحت برصغیر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ منافرت پیدا کی جس کے نتیجے میں ہندوستان تقسیم ہوا، پاکستان وجود میں آیا اور یہ تقسیم برطانوی نوآبادکاروں کی مرضی سے ہوئی تاکہ وہ اس علاقے کو اپنے استحصال کا نشانہ بنا سکیں۔

یہ جولائی ۱۹۶۸ء کی بات ہے۔ اس کے بعد مشرقی پاکستان "ٹانکوڈیکلی" کی پیش گوئی نہیں بلکہ روس کی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ۱۹۷۱ء میں پاکستان سے علیحدہ ہو گیا اور اس کے بعد اس کی اسکیم کے دوسرے حصے پر عملدرآمد شروع ہو گیا جس کا تعلق مغربی پاکستان سے ہے۔ اس کا آغاز اس پراپیگنڈہ سے کیا گیا ہے کہ مغربی پاکستان کے تمام مسلمان بحیثیت ایک قوم کے نہیں رہتے۔ یہ علاقہ چار قوموں پر مشتمل ہے۔ یہ نظریہ سندھ اور سرحد میں ایک تحریک کی شکل میں آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ مسٹر جی۔ ایم سید اور عبدالولی خان اس کا کھلا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے مطابق ان کے دونوں خان عبدالغفار نے ٹائمز آف انڈیا کے نمائندہ مسٹر دلیپ مکرجی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ:

چند سال پہلے کا پاکستان مر چکا ہے۔ مغربی پاکستان میں چار قومیتوں کے درمیان رشتہ کے لئے اسلام کافی نہیں رہے گا۔ اس کیلئے سیکولر بنیادوں پر رشتوں کی تعمیر کرنی ہوگی۔ (بحوالہ جسارت۔ کراچی۔ ۳/۱۲، ۲۷)

سندھ اور سرحد میں اس تحریک کو عام کرنے کے بعد اب اسے پنجاب میں بھی کس طرح پھیلایا جا رہا ہے' اسکا اندازہ اس سے لگائیے کہ خان عبدالولی خان نے (والی۔ ایم۔ بی۔ اے بال) لاہور کے ایک جلسہ عام میں اس کا اعلان کیا' اور انکے بعد ینگ پیپلز فرنٹ نامی (نوجوانوں) کی ایک تنظیم نے اسی ہال میں ایک کانفرنس منعقد کی جس کا بنیادی مقصد دو قومی نظریہ کی تردید اور چار قومیتوں کے تصور کی اشاعت تھی چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے پمفلٹ بھی تقسیم کئے۔

جہاں تک مرکز سے علیحدگی کا تعلق ہے خان عبدالولی نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ اس امر کا فیصلہ صوبے کریں گے کہ مرکز کے پاس کیا کیا اختیارات رہنے چاہئیں۔ انہوں نے اب یہاں تک کہہ دیا ہے کہ صوبہ سرحد کے ضمن میں جو فیصلے اس وقت کئے جاتے ہیں صوبائی حکومت انکی پابند نہیں رہیگی۔ وہ یہ بھی کہتے جا رہے ہیں (اور بالکل مجیب کی طرح) یعنی کہ میرا پختونستان کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ میرے والد صاحب کا نظریہ تھا جسے میں چھوڑ چکا ہوں۔ دوسری طرف سندھ میں مسٹر سید کہتے ہیں کہ مرکز کے پاس صرف دفاع، کرنسی اور امور خارجہ کے محکمے رکھے جانے چاہئیں۔ (جسارت ۲/۱ ، ۲۷)۔ (یہی بات مجیب کہتا تھا)۔

مشرقی پاکستان کی سازش کی ابتدا زبان کے مسئلہ سے ہوئی تھی بعینہٖ اسی قسم کی تحریک سندھ میں چلائی جا رہی ہے۔ پچھلے دنوں اس تحریک نے فسادات کی شکل اختیار کر لی اور سندھی طلباء نے ہر اس ورق کو جس پر اردو میں کچھ لکھا تھا نذرِ آتش کر دیا۔ ان فسادات کے سلسلہ میں کچھ گرفتاریاں عمل میں آئیں تو باہر کی دنیا کو پتہ چلا کہ (مشرقی پاکستان کی طرح) سندھ میں بھی کالجوں میں ہندو پروفیسر مسلمان طلباء کو پڑھاتے ہیں۔ (امروز۔ ۲/۱۶ ، ۲۰)۔ چنانچہ وہاں کے چیف سیکرٹری نے بتایا کہ ایک لیکچرر گھنشیام داس کو طلباء کے ایک گروپ کو دوسرے گروپ کے خلاف اکسانے کے الزام میں پکڑ کر گرفتار کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض دوسرے لیکچراروں کے خلاف بھی محکمانہ کارروائی کی

سازش کی گئی ہے"۔ اُدھر بھارت نے پھر وہی حربہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے جسے اس نے مشرقی پاکستان میں اپنی فوجی مداخلت کا بہانہ بنایا تھا۔ اس سلسلہ میں امروز بابت ۵ اپریل میں شائع شدہ ذیل کی خبر خاص اہمیت کی حامل ہے۔

> اکاش وانی نے پاکستان کے خلاف نئی مہم شروع کی ہے۔ آج بھارتی صوبہ گجرات کے وزیر اعلیٰ نے یہ مضحکہ خیز دعویٰ کیا ہے کہ سندھ میں لسانی جھگڑے شروع ہونے کے بعد پندرہ سو سندھی بھارت میں پناہ لینے کے لئے آ گئے ہیں اور جیسے ہم نے "بنگلہ دیش" کے لوگوں کو پناہ دی تھی، ویسے ہی انہیں بھی دیں گے۔

بھارتی صوبے کے وزیر اعلیٰ کا یہ دعویٰ مضحکہ خیز نہیں، یہ بہت بڑی سازش کا نقطۂ آغاز ہے!

اب دیکھئے اس تصویر کا ایک اور رُخ۔ پاکستان کا وجود اس نظریہ کا رہینِ منت ہے جس کی بنیاد اسلام ہے۔ اگر اسلام کو درمیان میں سے نکال کر سیکولرازم کو مملکت کی بنیاد قرار دے دیا جائے تو پھر پاکستان کے الگ وجود کی وجہ جواز ہی باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی تحریک بھی سیکولر مملکت کے تصور پر چلی گئی تھی۔ یہی تحریک اب سندھ اور سرحد میں عام کی جا رہی ہے۔ سندھ میں مسٹر سید علانیہ اسلام کے خلاف لکھتے اور بولتے چلے آ رہے ہیں۔ نیشنل عوامی پارٹی کے منشور میں سیکولر مملکت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ پچھلے دنوں عبدالولی خان نے کسی مصلحت کے ماتحت اسلام کا نام لے دیا تو ان کی پارٹی کے ذمہ دار ارکان ان کے پیچھے پڑ گئے اور انہوں نے برملا کہہ دیا کہ ہم اپنے منشور کے پابند ہیں۔ اُدھر آپ نے عبدالغفار خان کا وہ بیان بھی ملاحظہ فرما لیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ مغربی پاکستان کی چاروں قومیتوں میں رشتۂ اشتراک اسلام نہیں، سیکولرازم ہو گا۔ سوشلزم کی وجہ سے سیکولر اسٹیٹ کا نظریہ ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ میں پہلے ہی راسخ ہو چکا تھا۔ اب ان پارٹیوں کی تحریک نے اسے اور بھی ہوا دے دی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ (روس + بھارت) کے ایماء سے ہو رہا ہے۔ بھارت نے پاکستان کی تقسیم پر آئینی طور سے رضامندی ظاہر کرنے کے باوجود اسے کبھی دل سے قبول نہیں کیا۔ مسز اندرا گاندھی (ٹھیک چانکیہ کے اصولِ سیاست کے مطابق) اٹھتے بیٹھتے کہتی رہتی ہیں کہ ہم پاکستان کے دشمن نہیں، ہم اسے بھارت میں مدغم نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن پاکستان کے خلاف ان کے دل میں جو آگ بھڑک رہی ہے کبھی کبھی اس کے شعلے باہر بھی آ جاتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نومبر ۱۹۷۱ء میں علیگڑھ کے طلباء اور اساتذہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> میرے پتا، پنڈت نہرو، تحریکِ آزادی کے ایک عظیم رہنما تھے۔ وہ میرے سب کچھ تھے۔ وہ میرے شفیق باپ بھی تھے۔ استاد بھی تھے اور راہنما بھی۔ یہ سب کچھ اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن بھارت کی تاریخ ان کے اور ان کی جماعت 'انڈین نیشنل کانگریس' کے ایک بھیانک جرم کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ وہ جرم ہے بھارت کی تقسیم۔ انہوں نے سردار پٹیل اور ہندو مہاسبھا کے دباؤ میں آ کر ایک ایسا فیصلہ قبول کر لیا جس نے بھارت ماتا کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ بات مجھے بڑے دکھ سے کہنی پڑ رہی ہے اس لئے کہ وہ میرے پتا تھے۔ لیکن اس سے زیادہ وہ بھارت کے ہر دلعزیز راہنما بھی تھے۔ آج مجھے اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے تو میں ان کی بیٹی سے زیادہ بھارت کی وزیر اعظم کی حیثیت سے بھی بات کر رہی ہوں۔ میں یہ بات نہ بھی کہوں تو بھارت کی موجودہ نسل اور آنے والی نسلیں یہ بات ہمیشہ کہتی رہیں گی۔ وہ پنڈت نہرو اور انڈین نیشنل کانگریس کے اس جرم کو کبھی معاف نہیں کریں گی۔ (بحوالہ مشرق۔ ۲۴/۴)

بعینہٖ یہی الفاظ خان عبدالغفار نے انڈین نیشنل کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس میں کہے تھے جس میں تقسیم ہند کی منظوری دی گئی تھی۔ کانگریس کی اسی غلطی کا ازالہ اندرا گاندھی اور اس کے پاکستانی ہم نواؤں کا مقصد حیات ہے اور روس کی مصلحتوں کا تقاضا۔

اس پس منظر میں عبدالولی خان کی موجودہ ہیرا پھیریوں کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ مجیب کے لئے آسانی یہ تھی کہ اسے انتخابی طور پر

قطعی اکثریت حاصل تھی۔ لیکن ولی خان کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔ اس لئے اسے صدر بھٹو کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیلنا پڑ رہا ہے۔ اسی کھیل کا ایک دلچسپ پہلو ان کا "سہ فریقی معاہدہ" تھا۔ معلوم نہیں وہ کونسی مصلحتیں تھیں جن سے مجبور ہو کر صدر بھٹو دورۂ روس پر آمادہ ہو گئے۔ روس کی طرف ان کے اس رجحان کا اعلان ہوتے ہی ولی خان صاحب نے ان سے معاہدہ کی طرح ڈالدی۔ صدر بھٹو ۱۶ مارچ کو ماسکو گئے اور اس دوران میں ولی خان اور ان کے ہمنوا اس معاہدہ پر جشنِ طرب مناتے رہے۔ روس سے واپسی پر صدر بھٹو نے ۱۸ مارچ کو لاہور میں جو تقریر کی اس سے مترشح ہوا کہ ان کا روس سے کوئی معاملہ طے نہیں ہوا۔ اس پر نیپ کے تیور بدلنے شروع ہو گئے تا آنکہ ۲۰ مارچ کو امریکی جریدہ "نیوز ویک" میں صدر بھٹو کا انٹرویو شائع ہوا جس میں انہوں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ انہوں نے روس کی پیش کردہ ایشیائی سلامتی کی اسکیم کو قبول نہیں کیا۔ جس روز صدر بھٹو کا یہ انٹرویو شائع ہوا اسی روز عبدالولی خان نے (معاہدہ کے علی الرغم) مارشل لاء کی مخالفت شروع کر دی۔ اور (بالکل تحریک کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے) اپنے معاہدہ کی آیتی تاویلات شروع کر دیں جن پر دنیا بھر کے ہوشمند ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ تادمِ تحریر (۳۰ اپریل) وہ ابھی تاویلات کے الجھاؤ میں الجھا رہے ہیں۔ ۱۴ اپریل کو نیشنل اسمبلی کا اجلاس منعقد ہونے والا ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ اس میں کیا کردار ادا کریں گے اور اس کے بعد کس کروٹ بیٹھیں گے۔

اب رہا اسلحہ کا معاملہ۔ تو ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ہماری قوم ہی ایسی نرالی قسم کی آزاد قوم ہے جسے اپنے گھر کی باتیں بھی سات سمندر پار کے ذرائع سے معلوم ہوتی ہیں۔ امریکہ کے ہفتہ وار رسالہ ٹائم نے اپنی ۱۳ مارچ ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں لکھا کہ دسمبر ۱۹۷۱ء کے المیہ کے بعد سے روس کی مہیا کردہ آٹومیٹک رائفلیں افغانستان کے راستے سمگل ہو کر پاکستان پہنچ رہی ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی منزلِ مقصود "زلمے پختون" کی چھ ہزار جوانوں پر مشتمل تنظیم ہے۔ اس کے بعد روزنامہ امروز کی ۸ اپریل ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں حسبِ ذیل خبر شائع ہوئی۔

> امریکی جریدے نیوز ویک نے دعویٰ کیا ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی اور اس کے حامیوں نے جو افغانستان کے پٹھان قبائل کے ساتھ مل کر پختونستان کے خواب دیکھ رہے ہیں اسلحہ کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ ولی خان کی پارٹی کے پاس اپنا اسلحخانہ ہے جس میں بغیر لائسنس کے ۲۵ ہزار ہتھیار محفوظ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ علاقے کے تقریباً ۸۰ فیصد قبائلی مسلح ہیں۔ نیشنل عوامی پارٹی نے ہمالیہ کی وادی میں جدید اسلحہ کی فیکٹری قائم کر رکھی ہے جو مختلف قسم کے جدید اسلحہ تیار کرنے میں مصروف ہے۔

اس خبر کی تائید نوائے وقت کی ۱۳ اپریل کی اشاعت میں چھپنے والی ایک خبر سے بھی ہوتی ہے۔

یہ خبریں ملک کے عام اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں۔ ان کی تردید نہ ولی خان صاحب کی طرف سے ہوئی ہے نہ حکومت کی طرف سے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خبریں صحیح ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ خبریں صحیح ہیں تو حکومت اس باب میں کیا کر رہی ہے؟ کیا یہ صورتِ حالات اسی محشر کا پیش خیمہ نہیں جو سال گذشتہ مشرقی پاکستان میں برپا ہوئی تھی؟ سال گذشتہ کے واقعات کی ذمہ داری (سابق جنرل) یحییٰ خان پر عاید ہوتی ہے جس کے متعلق ہمارا شروع ہی سے یہ خیال ہے کہ وہ غدار تھا اور اس سازش میں برابر کا شریک۔ لیکن صدر بھٹو کے متعلق (کم از کم اس وقت تک) ہمارا یہ خیال نہیں۔ ہم انہیں محبِ وطن اور پاکستان کا خیرخواہ سمجھتے ہیں لیکن حالات کا رخ جس سمت کی طرف ہے اس سے صاف نظر آ رہا ہے کہ یہاں بھی وہی کچھ ہو جانے کے امکانات موجود ہیں جو کچھ سال گذشتہ مشرقی پاکستان میں ہوا تھا۔ اسے نہ صدر بھٹو کے متعلق ہمارا حسنِ ظن روک سکتا ہے نہ صدر بھٹو کا خالی جذبۂ حب الوطنی۔ (مجیب + یحییٰ خان) کی سازش سے مشرقی پاکستان کو ہاتھ سے چلے جانا تھا، وہ چلا گیا۔ لیکن جو کچھ وہاں کی بے گناہ آبادی، بالخصوص ہماری عفت مآب بیٹیوں اور بہنوں پر بیتی، اس کی بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ قوم کو صحیح حالات سے قطعاً بے خبر رکھا گیا تھا — بے خبر ہی نہیں بلکہ سخت مغالطے میں رکھا گیا۔ اگر انہیں صحیح حالات سے قبل از وقت متنبہ کر دیا جاتا تو یقیناً ان کا حشر ایسا نہ ہوتا جیسا وہاں ہوا ہے۔ وہ لوگ اگر وہاں سے بحفاظت نکل نہ سکتے تو کم از کم اپنی

عصمتوں سمیت بھوری گنگا یا خلیج بنگال میں ڈوب کر مر جاتے، اور اپنی بیٹیوں بہنوں کو درندوں کے پنجے میں نہ جانے دیتے۔ ہماری صدر بھٹو سے صرف ایک درخواست ہے۔ اور یہ درخواست ہے خدا کے نام پر۔ انسانیت کے نام پر۔ درخواست یہ ہے کہ قوم کو بتایا جائے کہ:-

(۱) اخبارات میں جو خبریں شائع ہو رہی ہیں وہ صحیح ہیں!

(۲) اگر وہ صحیح ہیں تو کیا حکومت اس خلفشار کی روک تھام کے لئے کچھ کر رہی ہے یا وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتی ہے۔

(۳) روس اور بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات کی حقیقی نوعیت کیا ہے۔

ہم نے یہ درخواست اس لئے کی ہے کہ اگر حکومت فی الواقعہ بے بس ہو چکی ہے تو پیشتر اس کے کہ وہ قیامت ہمارے سر پر ٹوٹ پڑے، ہم (کم از کم) اپنی عصمتوں کی حفاظت کے متعلق کچھ سوچ لیں اور یونہی بے خبری یا خود فریبی میں نہ مارے جائیں۔ ہر چند جب سیلاب آتا ہے تو وہ کہ اور مہ میں کوئی فرق نہیں کیا کرتا لیکن سابقہ تجربہ نے بتایا ہے کہ اس قسم کی قیامت میں سب سے پہلے وہ بدقسمت ہدفِ تیغ بنتے ہیں جو ابھی تک نظریۂ پاکستان کو سینے سے لگائے پھرتے ہیں اور تجربہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ سازشیوں اور غداروں نے اپنے انتظامات پہلے سے کر رکھے ہوتے ہیں اور ان کا بال تک بیکا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس امکانی قیامت خیزی میں سب سے زیادہ خدشہ پاکستان کے محبِ وطن اور نظریۂ پاکستان کے حامیوں کو ہے۔ موجودہ حالات کی روشنی میں قیاسات کا رُخ کچھ اس طرف جاتا ہے کہ اگر (خدا نکردہ) یہ سازش کامیاب ہو گئی تو صوبہ سرحد افغانستان کے راستے روس کی گود میں چلا جائیگا۔ سندھ براہ راست بھارت کے ساتھ جا ملے گا۔ اور بلوچستان ایران یا روس کے ساتھ۔ اور پنجاب سکھ سورماؤں اور مہاسبھائی بھیڑیوں کی یلغار میں آجائے گا۔ ہم صدر بھٹو سے درخواست کرینگے کہ وہ قوم کو صحیح حالات سے مطلع کر کے ہمارے ان قیاسات کا ابطال اور ان خدشات کا ازالہ فرما دیں۔ یہ ان کا قوم پر احسانِ عظیم ہوگا۔ اگر قوم کو صحیح حالات سے باخبر کر دیا جائے تو ہمیں یقین واثق ہے کہ حالات کتنے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں، یہ ہندو کا مقابلہ اب بھی کر سکتی ہے۔ اسکی راکھ کے ڈھیر میں اب بھی وہ چنگاریاں دبی ہوئی ہیں جو بھڑک اٹھیں تو بھارت جیسے بزدل اور کمینے دشمن کو خس و خاشاک کی طرح جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیں۔ اس قوم نے دشمن کے ہاتھوں کبھی شکست نہیں کھائی۔ یہ ماری جاتی ہے اپنے اندر کے غداروں کے ہاتھوں جو اسے دھوکے میں رکھتے، اور فریب آمیز بہلاوے دیتے رہتے ہیں۔ ہم صدر بھٹو سے ایک بار پھر درخواست کرتے ہیں کہ قوم کو تاریکی میں نہ رکھیئے۔ اسے ملک کے اندرونی حالات سے بھی باخبر رکھیئے اور بیرونی تعلقات سے بھی شناسا۔

بیرونی تعلقات کے سلسلہ میں ہم آپ کی توجہ انڈیا کے روزنامہ اسٹیٹسمین کے مقامی ایڈیٹر کلدیپ نیر کے اس بیان کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جو انہوں نے آپ (صدر پاکستان مسٹر بھٹو) سے انٹرویو کے بعد آل انڈیا ریڈیو سے نشر کیا تھا۔ جس میں اس نے کہا ہے کہ:-

> مسٹر بھٹو برصغیر میں امن قائم رکھنے اور پاکستان کی از سر نو تعمیر کرنے کی خاطر (نام نہاد) بنگلہ دیش بھارت اور پاکستان کی کنفیڈریشن قائم کرنے کے خواہش مند ہیں جس میں افغانستان اور ایران بھی شامل ہو سکتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر بھارت کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ بھی کرینگے۔ (نوائے وقت۔ مارچ ۸)

نوائے وقت میں شائع شدہ خبر کے مطابق مسٹر کلدیپ نیر نے کہا کہ مسٹر بھٹو نے اس خواہش کا اظہار ان سے نجی طور پر کیا تھا اگرچہ باقاعدہ انٹرویو میں انہوں نے اسکا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ صدر بھٹو کے مطابق ابھی اب کوئی قدم اٹھایا نہیں جا سکتا۔ جب برصغیر میں امن قائم ہو جائے گا۔ فوجیں واپس آجائینگی تو بتدریج ایسا کیا جا سکے گا۔"

اس سلسلہ میں اس خبر میں کہا گیا ہے کہ:-

"بنگلہ دیش کے متعلق صدر بھٹو کی گفتگو کے تاثرات بتاتے ہوئے بھارتی صحافیوں نے کہا کہ صدر بھٹو "بنگلہ دیش" کو تسلیم کر

چکے ہیں۔ صدر نے کہا کہ اگر میں بنگلہ دیش کو تسلیم نہ کرتا تو ایک ہی ملک میں دو صدر کیسے تسلیم کر لیتا۔ بھارتی صحافیوں نے دعویٰ کیا کہ صدر بھٹو شیخ مجیب سے ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن صرف اس لئے کہ بعد میں عوام سے کہہ سکیں کہ آخری کوشش بھی ناکام رہی اور مغربی اور مشرقی پاکستان کا اتحاد ممکن نہیں۔"

ادھر راولپنڈی کے روزنامہ نیو ٹائمز کی ۲۳ اپریل کی اشاعت میں حسبِ ذیل خبر شائع ہوئی ہے۔

بنگلہ دیش کے برطانیہ میں متعینہ سفیر سید عبد السلطان نے اس خبر کی توثیق کی ہے کہ مسز اندرا گاندھی اور شیخ مجیب الرحمٰن میں ایک خفیہ معاہدہ ہو چکا ہے جس میں طے پایا ہے کہ مسز اندرا گاندھی اور مسٹر بھٹو کے مابین مذاکرات میں شیخ مجیب الرحمٰن بھی شریک ہوں گے۔

ہم ان خبروں کی صداقت کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ ایسے اخبارات میں شائع ہوتی ہیں اور حکومت کی طرف سے ان کی تردید نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے ان خبروں سے ملک میں طرح طرح کے شکوک اور وساوس پیدا ہو رہے ہیں۔ بنا بریں ہم صدر بھٹو سے درخواست کریں گے کہ وہ قوم کو صحیح حالات سے باخبر فرمائیں تاکہ اسے اطمینان حاصل ہو اور آپ کو اس کا قلبی اعتماد۔

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

۱۴ اپریل کو اسلام آباد میں پاکستان کی منتخب نیشنل اسمبلی کا پہلا اجلاس تین دن کے لئے شروع ہوا۔ اس سے پہلے خان عبد الولی خان اور ان کے ہمنواؤں نے ملک میں جو خلفشار پیدا کر رکھا تھا، اس کے پیشِ نظر ہمارا دل دھڑک رہا تھا کہ خدا خیر کرے۔ لیکن صدر بھٹو کے (بالکل غیر متوقع لیکن نہایت بروقت) فیصلہ اور اعلان نے کہ وہ ۲۱ اپریل کو مارشل لاء اٹھا لیں گے بشرطیکہ اسمبلی نے عبوری آئین کی توثیق کر دی ہو، کا رخ بدل دیا اور ملک نے سکھ کا سانس لیا۔ ویسے بھی اس قدر طویل عرصہ کا مارشل لاء قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ تھا۔ خدا کرے اب ایسی نوبت کبھی نہ آئے۔ ادھر سے فارغ ہو جانے کے بعد صدر بھٹو کو چاہیئے کہ ملک کے نظم و نسق کی طرف پوری پوری توجہ دیں کیونکہ وہ اس حد تک خراب ہو چکا ہے جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی۔ اور ہماری دانست میں اسکے سنوارنے کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ملک کے اعلیٰ قابلیت کے پختہ کار صاحبِ تجربہ، امورِ سیاست و کاروبارِ حکومت کے ماہرین کو شریکِ کار بنائیں اور نظم و نسق کی مشینری (ایڈمنسٹریشن) کا اعتماد بحال کریں۔ اس وقت قوم میں بڑی بے چینی پھیل رہی ہے۔

(۰)

کنونشن کی مصروفیات کی وجہ سے زیرِ نظر شمارہ جلدی پریس میں بھیجنا پڑا جس کی وجہ سے ہم صدر بھٹو کی اس تقریر پر جس سے انہوں نے اسمبلی کا افتتاح کیا، نیز اسمبلی کی کاروائی اور عبوری آئین پر تبصرہ نہیں کر سکے۔ صدر بھٹو کی تقریر میں جو بڑی جامع اور پُر از معلومات ہے، دو ایک نکات البتہ ایسے ہیں جن کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ انہوں نے کہا کہ:

آج ہم ان عوام کی حکمرانی (MAJESTY) کی تقریب منا رہے ہیں جو مملکتِ پاکستان کے حقیقی مقتدرِ اعلیٰ (SOVEREIGN) ہیں۔

عوام کے اقتدارِ اعلیٰ کا یہ تصور مغرب کی سیکولر جمہوریت کا ہے۔ اسلامی مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ خدا کی کتاب (قرآن مجید) کو حاصل ہوتا ہے۔ اور کسی کو نہیں۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ:-

تخلیق پاکستان کے بنیادی محرکات میں کئی عوامل شامل ہیں لیکن اس کی حقیقی اور اصلی وجہ یہ ہے کہ ہم ہندوستان سے اس لئے الگ ہوئے تھے کہ ہندوؤں کا غیر منصفانہ نظام، ان کا استحصال اور تغلب ہمارے لئے ناقابلِ قبول ہو گیا تھا۔ (پاکستان ٹائمز۔ ۱۵ مئی)

یہ وہ غلط فہمی ہے جس میں ہمارے ہاں کے اچھے اچھے دانشور اور اکابر مبتلا چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے جداگانہ مملکت کے مطالبہ کی بنیاد یہ نہیں تھی کہ ہم ہندوؤں کے طرزِ عمل سے تنگ آ چکے تھے۔ ہمارا یہ مطالبہ ہمارے دین کا تقاضا تھا۔ قرآن کریم کی رُو سے مسلمان، دینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کر ہی نہیں سکتے جب تک ان کی اپنی آزاد مملکت نہ ہو۔ یہی ہمارے مطالبہ کی بنیاد تھی نہ کہ ہندو کی تنگ نظری۔ اسی حقیقت کو بانیٔ پاکستان علامہ اقبالؒ اور معمارِ پاکستان قائدِ اعظمؒ نے اپنی تقاریر اور بیانات میں بار بار واضح کر دیا تھا۔ اور خود ہندوؤں کے چوٹی کے لیڈر بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے تھے کہ مسلمانوں کے مطالبہ کی بنیاد اسلام ہے۔ طلوعِ اسلام پچیس سال سے اس حقیقت کو واضح اور اس غلط فہمی کو رفع کرتا چلا آ رہا ہے۔ اب پرویز صاحب کی بصیرت افروز کتاب --- قائدِ اعظمؒ کے تصور کا پاکستان --- کی اشاعت سے تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے کالجوں میں بطور نصاب داخل کیا جائے، اور ملک کی ہر لائبریری میں اس کا نسخہ موجود ہو۔

(۲)

ایوانِ اسمبلی میں محترم کوثر نیازی صاحب کی تقریر کے دو ایک نکات بھی اس قابل ہیں کہ انہیں طلوعِ اسلام کے صفحات میں محفوظ کر دیا جائے۔ ان کی اہمیت کا جائزہ فرصت میں لیا جائے گا۔ ایوان میں کسی رکن کی طرف سے مطالبہ پیش ہوا کہ آئین میں "مسلمان" کی تعریف (DEFINITION) متعین کی جائے۔ اس کے جواب میں نیازی صاحب نے کہا:-

۱۹۵۶ء کے آئین کو اسلامی آئین قرار دیا گیا تھا لیکن اس میں بھی "مسلمان" کی تعریف نہیں دی گئی تھی۔ اس وقت اس کا کسی نے مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔ معلوم نہیں اب کیوں مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ (اس سلسلہ میں حقیقت یہ ہے کہ) اگر علماء کا ایک بورڈ بنا دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ مسلمان کی تعریف متعین کر دیں تو وہ کبھی ایسا نہیں کر سکیں گے۔ اس حقیقت پر منیر کمیٹی رپورٹ شاہد ہے۔ انہوں نے کہا کہ علماء کرام تقریریں تو بہت کرتے ہیں لیکن انہوں نے اسلامی آئین مرتب کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ آئین سازی تو پھر بھی دور کی چیز ہے وہ اگر پاکستان کا ضابطۂ قوانین متفق طور پر اسلام کے مطابق مرتب کر دیں تو حکومت اسے تسلیم کر لیگی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسلام کسی فرقہ کو تسلیم نہیں کرتا اگرچہ مکاتبِ فکر مختلف ہو سکتے ہیں۔ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا، جو شخص مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرتا ہے وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ (پاکستان ٹائمز ۱۶ مئی)

پھر انہوں نے کہا کہ انہی علماء میں وہ بھی شامل ہیں جنہوں نے فتویٰ دے دیا تھا کہ زمین کی ملکیت پر رقبہ کی تحدید اسلام میں جائز نہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے، ہم ان نکات کا تفصیلی جائزہ بعد میں لیں گے۔ سرِدست ہم محترم کوثر نیازی صاحب کی خدمت میں ان کی اس حق گوئی و بیباکی پر ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اسلام کسی فرقہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس کے بعد آئینِ پاکستان میں یہ شق رکھی جاتی ہے کہ شخصی قوانین ہر فرقے کے اپنے اپنے ہوں گے۔ اس شق کی موجودگی میں تو وہ آئین اسلامی نہیں کہلا سکے گا۔ (محررہ - ۱۸ اپریل ۱۹۷۶ء)

(بقیہ)

(طلوعِ اسلام کا آئندہ پرچہ کنونشن نمبر ہوگا جس میں کنونشن کی روئداد کے علاوہ بصیرت افروز مقالات بھی شامل ہوں گے۔)

باسمہٖ تعالیٰ

ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے

پاکستان کی پچیس سالہ تاریخ پر حقیقت کشا تبصرہ

حالیہ المیہ کا جگر دوز تجزیہ اور مستقبل کے لئے شعاعِ امید

پرویز صاحب کا استقبالیہ

جس سے انہوں نے طلوعِ اسلام کنونشن منعقدہ اپریل ۱۹۷۲ء سے خطاب کیا

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے

غمگسارانِ قافلۂ متاعِ بردگاں!

لَا تَخَفْ، وَلَا تَحْزَنْ۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (۳/۱۳۹)

ہم نوایانِ من! ہم آج بہار کے موسم میں یہاں جمع ہو رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس سے پہلے بھی ایک بار ہم اسی موسم میں بزم آرا ہوئے تھے۔ اس وقت میرے استقبالیہ کا عنوان ہی "پیامِ فصلِ بہار" تھا۔ اس میں میں نے کہا تھا کہ "بہار کا موسم وہ ہے جس میں کائنات کے گوشے گوشے میں نئی زندگی کی نمود ہوتی ہے۔ شجرِ حیات کی برہنہ شاخوں سے حسنِ خوابیدہ انگڑائیاں لے کر بیدار ہوتا ہے۔ جنگل میدانوں میں سبزۂ خود رستہ اور خشک ٹہنیوں سے گلِ نو دمیدہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھتا ہے اور ہر دیدۂ بینا سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۳۰/۵۰) تم خدا کی نشانیوں اور کرشمہ سازیوں کو دیکھو کہ اس نے کس طرح زمینِ مردہ کو حیاتِ تازہ عطا کر دی۔" آج بھی موسم وہی ہے۔ عروسِ فطرت اسی انداز سے اپنی نقاب الٹ کر محوِ جلوہ آرائی ہے۔ ہر سمت کلیاں مسکرا رہی ہیں۔ غنچے چٹک رہے ہیں۔ پھول کھل رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے دلوں کے غنچے افسردہ اور احساسات کے شگوفے پژمردہ ہو رہے ہیں اس لئے چمن — سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گل ناآشنا دکھائی دے رہے ہیں۔ بہار ہمیں خزاں بن کر رُلا رہی ہے۔ پھول ہمارے دلوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہے ہیں اور یہ حقیقت ابھر ابھر کر سامنے آ رہی ہے کہ

نہ گلی ہے وجہِ نظر کشی، نہ کنول کے پھول میں تازگی
فقط ایک دل کی شگفتگی سببِ نشاطِ بہار ہے

اور ظاہر ہے کہ جب کیفیت یہ ہو کہ،

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلیٰ رہی، لیلیٰ کے دیوانے رہے

اور —

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مٹ گئے، آبادیاں بن ہو گئیں

تو دلوں کے غنچے کس طرح چٹکیں اور احساسات کی کلیاں کیسے مسکرائیں!

یہ غم و الم اپنی جگہ بجا اور درست ہے لیکن ہم صفیرانِ من! ہم تو اپنی نسبت اُس چارہ گرِ ازلی کی طرف کرتے ہیں جہاں سے ہمیں یہ ہدایت ملتی ہے کہ انتہائی شدتِ اندوہ و غم میں بھی دامنِ صبر و ثبات کو ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ اور صرف آہ و فغاں کرنے کے بجائے اپنے حالات پر سکون و سکوت سے سوچو کہ جو افتاد ہم پر پڑی ہے اس کی وجہ کیا ہے۔ بدر کی جنگ میں جب قریش کو ایسی

ذلت آمیز شکست ہوئی جس کا انہیں وہم و گمان تک بھی نہ تھا تو قرآن کریم نے کہا کہ یہ لوگ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان کی شکست کے اسباب کیا تھے۔ ان میں کوئی کچھ کہے گا کوئی کچھ۔ لیکن یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گی کہ اس شکست کی علت و علل یہ ہے کہ اَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (۵۹/۱۴) یہ لوگ جذبات میں بہ جاتے ہیں اور عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ لہٰذا عزیزانِ گرامی قدر! بجائے اس کے کہ ہم اپنی اس قیامت خیز تباہی اور ذلت انگیز بربادی پر کہ جس کی مثال ہمیں اپنی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، سر بزانو بیٹھ جائیں ہمیں عقل و فکر کی پوری صلاحیتوں سے کام لے کر سوچنا چاہیئے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور اب کیا کیا جائے کہ اس کے بعد ایسا نہ ہو۔

غور و فکر سے کام لو

میں نے ابھی ابھی کہا ہے کہ جنگ بدر میں قریش کو ناقابلِ یقین شکست ہوئی تو قرآن کریم نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ اس سے اگلی جنگ (اُحد) میں مسلمانوں کو (عارضی ہی) شکست ہو گئی تو یہ دل برداشتہ ہو کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ اَنّٰى هٰذَا ۔ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی؟ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس پر خدا نے علیم و خبیر نے اپنے رسول سے کہا کہ ان سے کہو کہ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (۳/۱۶۴)۔ اس کے لئے تم اِدھر اُدھر نگاہیں نہ دوڑاؤ۔ یہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ہے کہیں باہر سے نہیں آ گئی۔ سو عزیزانِ من! قرآن کا یہی پیغام آج ہمارے لئے بھی ہے کہ جو ذلت آمیز تباہی جو عذاب کی شکل میں تم پر مسلط ہوئی ہے، اس کی حقیقی علت کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہیں مت دوڑاؤ۔ سیدھا اپنے آپ کو دیکھو، یہ تباہی تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔ وَفِىْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۵۱/۲۱) خود اپنے گھر میں جھانک کر دیکھو کہ یہ تباہی کیسے آئی ہے۔ عزیزانِ من! قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے اور اس کی فرماں پذیری ہمارا فریضہ۔ یہی وہ احتسابِ خویش ہے جو ہمارے اس اجتماع کا اوّلین فریضہ ہے۔

—— (۲) ——

قرآن کریم نے تباہی کے جہنم میں خود بخود جا پڑنے والی قوموں کے متعلق ایک بڑی حقیقت کشا اور بصیرت افروز بات کہی ہے۔

پہلے سے ڈرانے والا

اس نے کہا ہے کہ یہ لوگ جب اس تباہی اور بربادی پر واویلا مچائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ بتاؤ کہ یہ تباہی تم پر یونہی اچانک آ گئی ہے یا اس کے متعلق کبھی تمہیں وارننگ بھی دی گئی تھی۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ کیا نہیں ہوا تھا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو قوانینِ خداوندی کو بار بار تمہارے سامنے لاتے تھے اور تم سے کہتے تھے کہ اگر تم نے ان قوانین کی خلاف ورزی کی تو تم پر تباہی اور بربادی مسلط ہو گی۔ بولو! تمہیں اس تباہی کی بابت پہلے سے وارننگ دی گئی تھی یا نہیں؟ وہ جواب میں کہیں گے کہ جو فردِ جرم ہم پر عاید کی جا رہی ہے (کہ تمہیں پہلے سے بتا دیا گیا تھا کہ ان اصولوں سے سرکشی برتو گے تو تباہ ہو جاؤ گے) اس کے ثبوت میں کہیں باہر سے گواہ اور شاہد لانے کی ضرورت نہیں۔ ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں کہ ہم سے ایسا کہا گیا تھا لیکن وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۔ انفرادی مفاد پرستیوں نے ہماری آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ رکھی تھی کہ اس قدر واضح انذار (وارننگ) کے باوجود ہم تباہی کے راستے پر دوڑے چلے گئے تا آنکہ آج اس ذلت آمیز گڑھے میں آ گرے — اس کے بعد قرآن ایک اصول بیان کرتا ہے کہ

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۔ (۶/۱۳۲)

یہ اس لئے کہ تیرا رب ایسا کبھی نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہلاک کر دے درآنحالیکہ انہیں بتایا نہ گیا ہو کہ

صحیح راستہ کونسا ہے اور غلط کونسا؛ اور غلط راستے پر چلنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کسی کو اس قسم کی وارننگ دیئے بغیر یونہی تباہ کر دینا وہ ناانصافی ہے، جو خدا کبھی کسی قوم سے روا نہیں رکھا کرتا۔

طلوعِ اسلام کا فریضہ

جب تک حضرات انبیائے کرامؑ کا سلسلہ جاری رہا، غلط روش جماعتوں کو یہ وارننگ رسولوں کی وساطت سے ملا کرتی تھی۔ ختمِ نبوت کے بعد یہ فریضہ امتِ محمدیہ کو سونپا گیا جنہیں خدا نے اپنی آخری کتاب کا وارث ٹھہرایا تھا۔ برصغیر ہند و پاک میں یہ فریضہ طلوعِ اسلام نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ تحریکِ پاکستان کے دوران اس نے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں کیا کچھ کیا، اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ اس وقت میں صرف اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ تشکیلِ پاکستان کے بعد اس نے ملتِ اسلامیہ کو کس طرح قدم قدم پر بتایا کہ صحیح راستہ کونسا ہے اور جو موڑ وہ مڑ رہی ہے وہ اسے کس طرح تباہی اور بربادی کے جہنم کی طرف لے جائے گا۔ انگریزی زبان کا ایک محاورہ ہے کہ "حادثہ کے بعد ہر شخص عقلمند بن جاتا ہے" لیکن طلوعِ اسلام نے جو کچھ کہا تھا وہ حادثہ کے بعد نہیں، حادثہ سے برسہا برس پہلے کہا تھا، تاکید کے ساتھ کہا تھا اور بار بار کہا تھا۔ اس کی فائلیں آج بھی بیشتر گھروں میں اور کتب خانوں میں موجود ہیں، جس کا جی چاہے ان سے شہادت لے سکتا ہے۔ اور اس میں طلوعِ اسلام کی کوئی کاریگری اور ہنرمندی نہیں تھی۔ نہ ہی اسے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ تھا کہ اس نے ان آنے والی تباہیوں کی پیش گوئی کر دی تھی۔ بات بالکل صاف اور واضح ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے خدا کے متعین کردہ قوانین کے مطابق ہوتا ہے اور وہ قوانین اٹل اور غیر متبدل ہیں۔ جس شخص کی نگاہ قرآنی قوانین و اصول پر ہوگی وہ آسانی سے بتا دیگا کہ قوم کی فلاں روش کا نتیجہ کیا ہوگا۔ علامہ اقبالؒ نے جب کہا تھا کہ

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے!

تو اس سے بھی ان کی یہی مراد تھی کہ قرآن پر غور و تدبر سے انسان میں وہ فراست اور بصیرت پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ — خاک بے دیدہ احوالِ چمن گفت — طلوعِ اسلام نے بھی اتنا ہی کہا تھا اور یہی اس کی ہمیشہ سے روش رہی ہے۔ اب دیکھئے عزیزانِ من! کہ تشکیلِ پاکستان کے بعد طلوعِ اسلام نے کس طرح قدم قدم پر قوم کو اس کی غلط (یعنی خلافِ قرآن) روش کے تباہ کن نتائج و عواقب سے آگاہ کیا تھا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

(۱)

قوم کی تشکیل

تحریکِ پاکستان کی جد و جہد کے نتیجہ میں ہمیں ایک خطۂ زمین حاصل ہو گیا تھا جس میں ہم نے قرآنی تصورات کے مطابق ایک معاشرہ کی تعمیر اور ایک نظام کی تاسیس کرنی تھی۔ اس پروگرام میں سب سے پہلا مرحلہ قوم کی تشکیل کا تھا۔ (جیسا کہ میں متعدد بار بتا چکا ہوں)۔ اگر آپ وطنیت کو معیارِ قومیت قرار دے لیں تو آپ کو کسی نئی قوم کی تعمیر نہیں کرنی پڑتی۔ اس وطن یا یوں کہئے کہ اس مملکت کی حدود کے اندر بسنے والے تمام افراد خود بخود ایک قوم بن جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ ایک نظریہ (آئیڈیالوجی) کو معیارِ قومیت قرار دیں تو آپ کو اس نظریہ کے مطابق قوم بنانی پڑتی ہے۔ ہندی مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کے مطالبہ کی بنیاد یہی تھی کہ اسلام (قرآن) کی رو سے معیارِ قومیت آئیڈیالوجی (یعنی ایمان) کا اشتراک ہے، وطن کا نہیں۔ تحریکِ پاکستان کے دوران مسلمان اس مطالبہ پر متفق ہو گئے تھے لیکن اس کے مطابق ایک قوم نہیں بن پائے تھے کہ پاکستان وجود میں آ گیا۔ ہم نے اگست ۱۹۴۷ء میں اپنی جداگانہ مملکت

طلوعِ اسلام کا پہلا پرچہ

قائم کی اور طلوعِ اسلام کا پہلا پرچہ جنوری ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا (جو جنوری اور فروری کا مشترکہ پرچہ تھا)۔ اس پہلے پرچہ میں یہ کہا گیا کہ:

> ہماری تحریکِ آزادی کی بنیاد اس اٹل دعویٰ پر تھی کہ اسلام کی رو سے قومیت کا مدار مذہب پر ہے جغرافیائی، نسلی، لسانی، وطنی امتیازات جماعت کے نزدیک وجہِ جامعیت نہیں ہو سکتے اس لئے ہندوستان کے اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے تمام مسلمان باوصف اختلافاتِ نسل و رنگ و زبان و حدود و ثغور سب ایک قوم کے افراد ہیں اور ان کے مقابل تمام غیر مسلم ایک الگ قوم کے افراد۔ (صفحہ ۱)

اس کے بعد چار پانچ صفحات میں اس اجمال کی تفصیل قرآنی حقائق کی روشنی میں پیش کرنے کے بعد لکھا تھا کہ اس معیارِ قومیت کی رو سے ضرورت یہ ہے کہ مملکتِ پاکستان کی حدود میں بسنے والے تمام مسلمان اپنے نسلی، جغرافیائی، لسانی، ثقافتی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے آپ کو ایک قوم کے افراد سمجھیں بلکہ جو مسلمان ہندوستان میں رہ گئے ہیں انہیں بھی اپنا بھائی قرار دیں۔ اس تاکید و توضیح کی ایسی فوری ضرورت کیوں پیش آگئی تھی؟ اس کی وجہ تین چار صفحات آگے چل کر ان الفاظ میں بیان کی گئی تھی۔

وہ ہم پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں میں اس بُعد، فصل اور بیگانگی و مغائرت کا رونا رو رہے ہیں جس کا ہمیں مستقبل میں خدشہ نظر آتا ہے لیکن یہاں حالت یہ ہے کہ خود پاکستان کے مسلمانوں میں صوبائی تعصب اس قدر شدید ہے کہ اس کا احساس ہر قلبِ دردمند کے لئے وجہ ہزار اضطراب ہے۔ یوں تو یہ تعصب ہر جگہ موجود ہے لیکن یہ اپنی انتہا کو سندھ میں آپہنچا ہے ہم سنا کرتے تھے کہ سندھ کے مسلمان عام طور پر غیر سندھی مسلمانوں کے مقابلہ میں سندھی غیر مسلم کو اپنے زیادہ قریب سمجھتے ہیں۔ ہم ایسا سنتے تھے لیکن اسے باور کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن یہاں آکر جو دیکھا تو دیدہ شنیدہ سے کہیں بڑھ کر نکلی۔ تقسیمِ ہند کے بعد مرکزی حکومتِ پاکستان کے دارالخلافہ کا مسئلہ غور طلب ہوا۔ ہر ایک صوبہ اپنے اپنے استحقاق کی تائید میں دلائل و شواہد پیش کر رہا تھا اور اس میں تھا کہ نگاہیں یہ سعادتِ عظمیٰ کس صوبہ کے حصہ میں آتی ہے۔ بالآخر انتظار و تربص کا یہ زمانہ ختم ہوا اور اس مقصد کے لئے مرکزی حکومت کی نگاہِ انتخاب کراچی پر آکر ٹھہری۔ اس انتخاب کی بنا پر غیر سندھی مسلمانوں کو کراچی میں آنا پڑا۔ اس کے بعد مشرقی پنجاب اور دہلی وغیرہ کے حوادث نے اس سلسلہ درآمد کو اور بھی تیز کر دیا۔ ہم سمجھتے تھے کہ سندھ کے مسلمان اس شرف و اعزاز پر مسرتوں کے جھولے جھول رہے ہوں گے لیکن یہاں پہنچ کر ایسا معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ انہیں بالعموم سخت گراں گزر رہا تھا۔ ہم محوِ حیرت تھے کہ یا اللہ! باہر سے آنے والے مسلمانوں کی کس بات سے انہیں اس قدر قلبی اذیت پہنچ رہی ہے۔ غور سے دیکھا تو اس کی وجہ بجز سندھی اور غیر سندھی کی اس تفریق کے جو ان کے تحت الشعور میں ہر وقت انگڑائیاں لیتی رہتی ہے اور کچھ نہ تھی۔ اس کے بعد اس تفریق و مغائرت کے مظاہرے قدم قدم پر دکھائی دینے لگے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں اور دانتوں میں انگلیاں دبا کر رہ جاتے ہیں کہ یا الہا! یہ وہ سرزمین ہے جہاں کفرزارِ ہند میں سب سے پہلے اسلام کے قدوم برکات لزوم آئے اور یہیں آج یہ حالت ہے کہ عہدِ جاہلیت کی یہ عصبیت اس درجہ شدید ہے کہ۔ ذرا غور کیجئے کہ "سندھی اور غیر سندھی" کی یہ تمیز بالآخر ہے کیا؟ انگریزوں نے انتظامی مصالح کی خاطر ملک کو مختلف خطوں میں تقسیم کیا۔ اب سوچئے کہ اسلام کی اس عالمگیر برادری میں جہاں حدود و قیود کو کہیں بار نہیں، بھلا یہ تقسیمی خطوط بھی کچھ حیثیت رکھتے ہیں! لیکن ہماری بدبختیوں کا کیا علاج!۔ مسلمانوں کی زندگی کے تو ہر شعبہ میں عہدِ جاہلیت کے آثار رونما ہو کر سرایت کر چکے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ خود سندھی مسلمانوں میں

ایسے بالغ نظر افراد موجود ہیں جن کی نگاہیں اسلام کی قیود نا آشنا مواخات و مساوات کو خوب پہچانتی ہیں۔ اور ان کی وسعتِ قلب سندھی اور غیر سندھی کی تنگنائے عصبیت کی حدود میں مقید نہیں۔ لیکن ایسے حضرات کا وجود خال خال ہے۔ یہاں کی اکثریت ابھی جہالت کا شکار ہے جو ہمارے لئے باعثِ ہزار شرم و ندامت ہے۔

ہم

(۱) سندھی مسلمانوں سے گزارش کریں گے کہ سندھی اور غیر سندھی کی تفریق یکسر غیر اسلامی ہے اس لئے وہ جتنی جلد اس عصبیت کو اپنے دل سے الگ کر دیں اتنی ہی جلدی وہ حقیقی اسلام سے قریب آ جائیں گے۔

(۲) غیر سندھی مسلمانوں سے درخواست کریں گے کہ وہ اپنے حسنِ سلوک اور مروت و اخوت سے ایسی کشادہ نگہی اور وسیع القلبی کا ثبوت دیں کہ سندھ کا مسلمان انہیں اپنا سمجھنے پر مجبور ہو جائے۔

(۳) حکومتِ سندھ کے اربابِ بست و کشاد سے عرض کریں گے کہ وہ دورانِ تقسیم و تنسیخ کوئی ایسی بات سرزد نہ ہونے دیں جس سے واقعتاً ترشح ہوتا ہو کہ یہاں سندھی اور غیر سندھی میں تمیز کی جاتی ہے۔ اور

(۴) مرکزی حکومت کے ذمہ دار اراکین سے التماس کریں گے کہ جب آپ نے انتخاب کی بنا پر یہاں ایک مرکزی حیثیت اختیار کر لی ہے تو آپ یہاں کے انتظامی امور میں ایسی دلچسپی لیں کہ یہ علاقہ سواء العاکف فیہ والباد (یہاں کے رہنے والوں اور باہر سے آنے والوں کے لئے بالکل یکساں) کا مصداق بن جائے۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ آپ اس تنذیر کو عام کر دیں کہ ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم (۲۲/۲۵) جو کوئی اس میں ظلم کے ساتھ ناانصافی کرے گا۔ وہ سمجھ لے کہ ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہمیں خطرہ ہے کہ سندھی اور غیر سندھی کی جو خلیج اس وقت قرب کی دنیا میں حائل ہے وہ رفتہ رفتہ وسیع تر ہوتی جائے گی اور یہ انتشار، نفرت اور عصبیت کا موجب بن جائے گا۔ وفیہا بصائر لقوم یعقلون۔

اس سلسلہ میں قائد اعظم کے ارشادات ہر پاکستانی کے لئے ہر وقت تنبیہ و تذکیر کا حکم رکھتے ہیں جو انہوں نے یوم عید الاضحیٰ کے ایک اجتماع میں کراچی میں ارشاد فرمائے۔

میں چاہتا ہوں کہ مسلمان صوبائی تعصب کے اس مرض کو دل سے دور کر دیں۔ یہ امر اس برصغیر کے مسلمانوں کے لئے باعثِ لعنت ہے کہ ان کا ذہن ابھی تک سندھی، پنجابی، پٹھان اور دہلوی کے تنگ دائروں میں گھوم رہا ہے۔ (ڈان ۲۰)

خدا کرے جلد وہ دن آ جائیں کہ ہمارے سندھی بھائی باہر سے آنے والے غیر سندھی مسلمانوں کو اپنے دل کا ٹکڑا سمجھیں اور غیر سندھی مسلمان یہاں کے مسلمانوں کو اپنا بھائی تصور کریں اور ان دونوں کی باہمی مواخات و محبت سے بھرے ان شرمندگانِ ساحل کے اچھل کر بے کراں ہو جانے کا وہ نظارہ قرآنی معاشرہ کی شکل میں جلوہ گر ہو جائے جسے دیکھنے کے لئے ہر دیدۂ حساس مضطرب و بیتاب ہے۔

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است!

اس داستان سے کس طرح بے اعتنائی برتی گئی اور تعصب و تنافر کا یہ بیج آگے چل کر کس شجرِ ملعونہ کی شکل میں نمودار ہوا اس کی تفصیل آگے چل کر سامنے لائی جائے گی کیونکہ ہم مشرقی اور مغربی پاکستان کا مسئلہ سب سے پہلے سامنے لانا چاہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ جو تباہی ہم پر آ چکی ہے اس کا تعلق اسی مسئلہ سے ہے اور باقی صوبوں میں عصبیت اور عداوت کے بیج

کس طرح برومند ہوئے ہیں اس کا تعلق اس بحث سے جو ابھی ہونے والی ہے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے سلسلہ میں ہم نے اپنی اسی اولین اشاعت میں لکھا تھا۔

مشرقی پاکستان کی عصبیّت

"ہم یہاں تک لکھ چکے تھے کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان بے ساختہ ہمارے سامنے آ گئے۔ ہم اس باب میں ان کی خدمت میں بھی ایک گذارش ضروری سمجھتے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی مشرقی پنجاب وغیرہ کے حوادثِ قیامت انگیز کے سلسلہ میں مغربی پاکستان کچھ اس طرح ابھر کر سامنے آ گیا کہ مشرقی پاکستان کچھ وقت کے لئے ایک طرف ہٹ گیا۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح فساداتِ کلکتہ اور نواکھالی بہار کے زمانہ میں تمام مسلمانوں کی توجہات انہی علاقوں پر مرتکز ہو گئی تھیں اور دوسرے علاقے دوسری طرف ہٹ گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان اُس ملکِ عظیم کے اجزائے لاینفک ہیں جسے فطرت کی ذرّہ نوازیوں نے مسلمانانِ ہند کو عطا فرمایا ہے۔ یہ دونوں حصے آزادی کی فضاؤں میں بال کشائی کرنے والے شہبازِ پاکستان کے دو بازو اور ملتِ پاکستان کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جن میں سے اگر ایک کمزور ہو جائے تو دوسرا از خود بے کار رہ جاتا ہے۔ پاکستان کا ملکِ عظیم ملتِ اسلامیہ ہندیہ کو اسی طرح عنایت ہوا ہے جس طرح بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات ملنے پر ارضِ مقدس کی مملکت بطورِ انعام ملی تھی۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا۔ (۷/۱۳۷)

اور جس قوم کو کمزور و ناتواں خیال کیا جاتا تھا اسے ہم نے ملک کے اس مشرقی اور مغربی حصہ کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے اپنی برکات کی گہرباری کی تھی۔

بعینہٖ اسی طرح ہمیں اس ملک کے مغربی اور مشرقی حصوں کا مالک بنایا گیا ہے جس میں ہم اس قدر کمزور و ناتواں سمجھے جاتے تھے۔ قرآن نے ملتِ اسلامیہ کی ہمہ گیریت و آفاقیت کی بنا پر مشرق و مغرب کے بُعدِ مکان کا تصور آج سے چودہ سو سال پیشتر اذہانِ انسانی سے نکال دیا تھا جب اس نے فرمایا تھا کہ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (مشرق و مغرب سب خدا کے ہیں)، اور آج سائنس کے انکشافات نے زمین کی طنابیں کچھ اس طرح کھینچی ہیں کہ مشارق و مغارب کے بُعد و فصل فی الحقیقت کالعدم ہو چکے ہیں۔ اس لئے پاکستان کے مسلمانوں میں مشرق و مغرب کی تمیز و تفریق ایک حقیقتِ ابدی کا بطلان اور ایک صداقتِ ازلی کی تکذیب ہے۔ ہم اپنے سینوں کو اُس آفتابِ جہاں تاب کی درخشندہ شعاعوں سے مستنیر کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں جس کے متعلق فرمایا کہ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ (یعنی نہ مشرقی ہے اور نہ غربی)۔ اس لئے اگر ہمارے ذہن میں ایک ثانیہ کے لئے مشرقی و مغربی پاکستان میں کسی قسم کی مغایرت و تفریق کا تصور بھی آ گیا تو ہم ان ازلی صداقتوں کے عملی منکر ہو گئے جن پر ایمان ہمارے لئے وجہِ سعادتِ کونین ہے۔ یہ امتیازات اُس دورِ جاہلیت کی تخلیق تھے جسے ہم چھٹک کر الگ کر چکے ہیں۔ اس لئے اب ان کی ذرّہ تک بھی ہمارے دلوں میں نہ آنی چاہیئے کہ جو بُت حریمِ کعبہ سے ایک مرتبہ نکال دیئے گئے وہ وہاں دوبارہ باریابی نہیں پا سکتے۔

مشرقی اور مغربی پاکستان کی تمیز کسی مردِ مسلمان کے دل میں اپنی جگہ پیدا نہیں کر سکتی۔ یہی وہ مقام تھا جس کے متعلق اُس مردِ حق آگاہ نے متنبہ ہونے کو کہا تھا جسے فطرت نے فراستِ قرآنی کے نور سے نوازا تھا۔ کہ

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا!

آئیں زمانہ کو بتلا دینا چاہیئے کہ اب ہمارے پروں پر اس عہد جاہلیت کے غبارِ رنگ و نسب کے نشان تک بھی نہیں ہیں کہ اب یہ سب کچھ ایک ہی رنگ میں رنگا جا چکا ہے اور اللہ کے رنگ سے اور کون سا رنگ بہتر ہو سکتا ہے۔ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔ "

اس پر ابھی چند روز ہی نہ گزرے تھے کہ مشرقی پاکستان میں اردو، بنگالی زبان کا جھگڑا کھڑا کر دیا گیا۔ اس سلسلہ پر ہم نے مارچ ۱۹۴۸ء کے طلوع اسلام میں لکھا:

" ہم نے سابقہ اشاعت میں مشرقی پاکستان کے مسلمانوں سے بھی درخواست کی تھی کہ وہ صوبائی تعصب کے تنگنائے سے نکل کر ملت اسلامیہ کے ہمہ گیراں کی وسعتوں سے ہمکنار ہو جائیں۔ لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہاں ابھی اس قسم کے خیالات افقِ اذہان سے ابھر رہے ہیں جو صوبائی حدود کو آہنی دیواریں بنانے کی تائید کر رہے ہیں۔ پاکستان کی وحدت کے پیش نظر زبان کی وحدت کا سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس باب میں "ایک بنگالی مسلمان" کا خط جریدہ اسٹیٹس مین میں شائع ہوا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں۔

> پاکستان کی بعض بلند پایہ ہستیاں اردو کو سرکاری زبان قرار دینے پر تلی بیٹھی ہیں۔ ہم بنگالی مسلمان اس کے خلاف ہیں...... اردو ہندوستان کی سرکاری زبان تو ہو سکتی ہے لیکن پاکستان کی نہیں۔ پاکستان کی سرکاری زبان بنگالی ہونی چاہیئے۔

یہاں تک تو خیر ایک تجویز کی صورت ہے۔ آگے چل کر لکھا ہے۔

> پاکستان کو وجود میں آئے ابھی چند ماہ بھی نہیں ہوئے کہ غیر بنگالی مسلمان بنگالی مسلمانوں پر چھائے جا رہے ہیں۔ اگر اردو کو سرکاری زبان قرار دے دیا گیا تو یہ بنگالی مسلمانوں کی ترقی کے لئے پیغام موت ہو گا۔

یہ ہیں "بنگالی مسلمان" اور "غیر بنگالی مسلمان" کی تفریق کے جراثیم جو جسم پاکستان کی جڑوں تک کو کھوکھلا کر دیں گے۔ انہیں کس طرح سے سمجھایا جائے کہ مسلمان فقط مسلمان ہوا کرتا ہے، بنگالی اور غیر بنگالی نہیں ہوا کرتا۔ یہ وطنی تفریق یکسر غیر اسلامی فکر کی تخلیق ہے۔ خدا کے لئے عہد جاہلیت کے ان آثار و نقوش کو اپنی نگاہ سے دھو ڈالئے اور استحکام پاکستان کی خاطر جو تجویز یا تنقید آپ کو کرنی ہو اسے خالص مسلمان کے نقطہ نگاہ سے پیش کیجئے۔

اے پاکستان کے مسلمان، تیری فلاح اور بقا کا راز اس میں ہے کہ

بُتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ افغانی نہ ایرانی

لیکن اس تنبیہ کے باوجود یہ فتنہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ قائداعظم کو خود مشرقی پاکستان جانا پڑا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے یہ فتنہ اس وقت بظاہر فرو ہو گیا۔ لیکن بعد کے واقعات نے بتایا کہ اس سے صرف اتنا ہوا تھا کہ یہ شعلے بیباک نہیں رہے تھے۔ سمٹ کر آتش خاموش بن گئے تھے اور یہ آتش خاموش اندر ہی اندر سلگتی چلی گئی تھی۔

(۶)

ملازمتوں میں صوبائی تناسب

صوبائی تعصب کی یہ آگ مشرقی پاکستان ہی میں نہیں تمام صوبوں میں سلگتی جا رہی تھی۔ لیکن حکومت پاکستان بجائے اس کے کہ اسکے

فرو کرنے کے لئے کوئی مؤثر قدم اٹھاتی‘ اس نے ایک ایسی ممانعت کی جس سے یہ خلیج دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ یہ داستانِ جراحت غور سے سننے کے قابل ہے۔

تقریباً ۱۹۳۰ء کا ذکر ہے کہ (غیر منقسم) ہندوستان میں مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ سرکاری ملازمتوں میں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے مسلمانوں کا حصہ الگ کر دیا جائے۔ اس زمانے میں ہندوستان میں مسلمانوں کا تناسب آبادی تقریباً پچیس فیصد تھا۔ ہندوؤں کی طرف سے اس مطالبہ کی مخالفت ہوئی تھی‘ اور ہوئی۔ اور بڑی شدت سے ہوئی۔ اس پر خود بعض مسلمان لیڈروں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ یہ مطالبہ بڑا تنگ نظری کا آئینہ دار ہے۔ ہمیں "دال روٹی" کی تقسیم کو قومی مطالبہ نہیں بنانا چاہیئے۔ اس کے جواب میں ذمہ دارانِ قوم کی طرف سے یہ کہا گیا کہ یہ مسئلہ دال روٹی کی تقسیم کا نہیں۔ اس کے نتائج بڑے دور رس ہیں۔ ہمارا بنیادی دعوےٰ ہے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ہندو اس دعویٰ کی تردید میں ہندو مسلم اتحاد اور متحدہ قومیت کے جال پھیلا رہا ہے۔ ملازمتوں میں جداگانہ تناسب سے ہندو کے اس فریب کی قلعی کھل جائے گی وہ ایک ایک اسامی پر جھگڑتے کھڑے رہے گا۔ اور اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین تفرقہ کی خلیج دن بدن وسیع تر اور عمیق تر ہو جائے گی‘ اور یوں رفتہ رفتہ یہ دونوں قومیں نکھر کر الگ الگ ہو جائیں گی۔ یہ دلیل ایسی وقیع تھی کہ معترضین مطمئن ہو گئے جس کے نتیجہ میں حکومت کو مسلمانوں کا یہ مطالبہ تسلیم کرنا پڑا‘ اور ۱۹۳۳ء سے اس پر عملدرآمد شروع ہو گیا۔ میں اس زمانے میں مرکزی حکومت سے وابستہ تھا اور حسنِ اتفاق کہ مرکزی سیکرٹریٹ کی ملازمتوں میں مسلمانوں کے تناسب کا صیغہ میرے سپرد ہو گیا۔ میں نے اپنی ملازمت کے دوران قانون اور ضابطہ کا ہمیشہ احترام کیا تھا‘ اور باوجود اس کے کہ مجھے اپنی ملت سے ہمیشہ محبت رہی ہے‘ میں نے اس فریضہ کی سرانجام دہی میں کسی ایک کیس میں بھی نہ کسی مسلمان کی رعایت کی اور نہ ہی کسی غیر مسلم سے زیادتی۔ لیکن ہندو کو اس تقسیم کا اس قدر صدمہ تھا کہ وہ مجھے "اورنگا" (یعنی اورنگ زیب) کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ میں نے اس واقعہ کا ذکر اس لئے ضروری سمجھا ہے کہ آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ملازمتوں میں مختلف گروہوں کے الگ الگ حصے مقرر کرنا کس طرح ان میں تفرقہ کی مستقل خلیج حائل کر دیتا ہے۔ ہندوستان میں ہم نے اس نیابت کو ۱۹۴۷ء (یعنی تقسیم ہند) تک جاری رکھا‘ اور اس کے جو نتائج مرتب ہوئے (یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفرقہ) اس پر ہمارے زعمائے قوم بڑا فخر کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ یہاں آکر انہی زعمائے قوم نے کیا کیا؟ انہوں نے ۱۹۴۸ء میں یہ فیصلہ کر دیا کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں ملازمتوں کی نیابت الگ الگ ہو گی اور پھر اگلے سال (۱۹۴۹ء میں) یہ فیصلہ کر دیا کہ مغربی پاکستان کے حصے کی اسامیوں کو پنجاب۔ سندھ۔ سرحد۔ کراچی۔ بلوچستان میں الگ الگ تقسیم کیا جائے۔ میں اس زمانے میں بھی ملازمت میں تھا۔ میں نے دفتری طریق پر اس تجویز کی مخالفت کی‘ اور ان حضرات کو (جو اب اربابِ نظم و نسق بن چکے تھے) خود انہی کی وہ دلیل یاد دلائی جو انہوں نے ہندوستان میں‘ ملازمتوں کی تقسیم کے حق میں دی تھی۔ یعنی یہ کہ اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی تفرقہ کی ایسی خلیج حائل ہو جائے گی جو کسی کے پاٹے نہیں پٹ سکے گی۔ میں نے کہا کہ جس اسکیم نے وہاں یہ نتیجہ پیدا کیا تھا وہ اسکیم یہاں بھی وہی نتیجہ مرتب کرے گی۔ اور اس سے مشرق اور مغرب‘ اور پھر مغرب کے مختلف صوبوں میں باہمی منافرت اور رقابت کے وہ جذبات ابھریں گے جو انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیں گے۔ طلوعِ اسلام میں اس اسکیم کے خلاف اس سے بھی زیادہ وضاحت سے لکھا گیا۔

آپ اس کی ستمبر ۱۹۵۱ء کی اشاعت کے لمعات کو دیکھئے۔ ان میں‘ اس اسکیم کا تجزیہ کرنے کے بعد کہا گیا کہ،

وہ آپ کو معلوم ہے کہ مخصوص نیابت کے نتائج و اثرات کیا ہوا کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ مہلک اثر تو وہ جس کا ہم نے

پہلے ذکر کیا ہے، یعنی یہ تخصیصی نیابت مختلف خطوں کے مسلمانوں کے تصادمِ مفاد کا ایک مستقل ذریعہ بن جائے گی جس سے باہمی تفریق، مستقل گروہ بندیاں پیدا کر دے گی اور اس کے بعد ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک قوم قرار دینے کے مدعی (پاکستانی مسلمان) خود بھی ایک قوم نہ بن سکیں گے۔

اس کے بعد دوسرا مہلک نتیجہ یہ ہوگا کہ نیابتی تخصیص کی بنا پر مقرر کردہ اسامیوں کے لئے بہترین قابلیت کے امیدواروں کو چھوڑ کر کم قابلیت والوں کو لینا پڑے گا۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ آپ کے ہاں ایک تو پہلے ہی قابل افراد کی کمی ہے اور اگر ان میں سے بھی حقیقی جوہری چھٹ گئے تو پھر ملک کے نظم و نسق کا خدا حافظ!

پھر یہ بھی دیکھئے کہ جب کسی گروہ کو معلوم ہو کہ اس کے لئے مخصوص اسامیاں الگ رکھی ہیں تو اس سے مقابلہ کے جوہر آہستہ آہستہ مفقود ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں آگے وہی بڑھ سکتا ہے جو دوسروں سے مقابلہ اور مسابقت کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ بقاءللاصلح فطرت کا قانون ہے اور جو اصلح نہیں اس کا شمار زندوں میں نہیں ہو سکتا۔ مخصوص اسامیاں درحقیقت بھیک کے ٹکڑے ہوتی ہیں۔ اور جس طرح گداگروں میں رفتہ رفتہ کام کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اسی طرح بلا مقابلہ مخصوص اسامیاں پا لینے والوں میں جوہرِ بالیدگی ختم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں کو آپ پچھلی صفوں سے نکال کر اگلی صفوں میں لانے کے لئے اسامیاں مخصوص کرتے ہیں انہیں فی الحقیقت آپ ہمیشہ کے لئے پچھلی صفوں میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ‘‘

اس کے بعد طلوعِ اسلام نے لکھا تھا کہ

وہ ہماری محکم اور پائندہ حکومت اسی صورت میں قائم ہو سکے گی جب ہم ان صوبائی نسبتوں سے بلند ہو کر صرف اسلامی نسبت کو پیشِ نظر رکھیں اور کسی کو کبھی خیال تک بھی نہ گزرے کہ فلاں شعبہ میں ہمارے صوبہ کی نمائندگی کس قدر ہے۔ صوبوں کی لکیریں محض نظم و نسق کی سہولت کی خاطر کھینچی گئی تھیں، نہ کہ ملک کے باشندوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے۔ اگر یہ لکیریں اس قسم کی تفریق کے خطوط بن رہی ہیں تو ان لکیروں کو جس قدر جلد مٹایا جا سکے اتنا ہی اچھا ہے۔ تاکہ

ایک ہوں سارے حرم کی پاسبانی کے لئے ‘‘

فیڈرل سسٹم

لیکن اسے کسی نے درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور ملازمتوں میں صوبجاتی نیابت کی اسکیم رائج کر دی۔ اس سے جس قسم کی بین الصوبائی نفرت پھیلی وہ ہمارے سامنے ہے۔ اسی دوران میں پاکستان کے آئین کی بات چھڑی تو اس میں حکومت کی طرف سے تجویز کیا گیا کہ یہاں فیڈرل انداز کی حکومت قائم ہونی چاہیئے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے طلوعِ اسلام نے اپنے پیش کردہ مسودہ ”قرآنی دستورِ پاکستان“ میں لکھا:

فیڈرل انداز کی حکومت اس غیر اسلامی صوبائی عصبیت کو مضبوط تر بنانے کا ایک مستقل ذریعہ ہے.... اس سے صوبائی قومیتیں آہستہ آہستہ متشدد ہو جائیں گی اور اس چھوٹے سے خطۂ زمین میں بھی مسلمانوں کی وحدت قائم نہ ہو سکے گی، چہ جائیکہ ساری دنیا کے مسلمانوں میں وحدت قائم ہو جائے، جو اسلام کا منشا ہے۔

ہم نے تجویز پیش کی تھی کہ ملک میں وحدانی اندازِ حکومت (UNITARY FORM OF GOVERNMENT) قائم کی جائے۔ لیکن یہ تجویز بھی صدا بصحرا ہو گئی۔

مشرق اور مغرب میں کانفیڈریسی

حکومت کے ان اقدامات سے صوبائی تفرقات، بالخصوص مشرقی اور مغربی پاکستان کے اختلافات اس سرعت اور شدت سے بڑھتے چلے گئے کہ میں

نے ضروری سمجھا کہ مشرقی پاکستان کے حالات کا مطالعہ خود وہاں جا کر کیا جائے۔ چنانچہ میں وہاں گیا اور وہاں کے حالات کا غائر نظر سے مطالعہ کیا اور واپس آکر ذمہ داران مملکت کی خدمت میں گزارش کیا کہ مشرقی پاکستان کا ہر شعبہ اس وقت ہندوؤں کی گرفت میں ہے۔ اگر آپ نے انہیں (ہندوؤں کو) غیر مؤثر بنانے کے لئے فوراً اور نہایت سخت اقدامات نہ کئے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ علاقہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اس وقت بھی وہاں کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ اگر اسے ساتھ رکھنا مقصود ہے تو مشرق اور مغرب کو دو خود مختار وحدتیں تسلیم کر کے ان میں کانفیڈریسی قائم کر دی جائے۔ اور مغربی پاکستان کے صوبوں کو مٹا کر کم از کم اس خطہ میں وحدانی حکومت قائم کر دی جائے۔ اس اسکیم کو طلوعِ اسلام کی اشاعت بابت اکتوبر ۱۹۵۴ء میں وضاحت سے پیش کیا گیا تھا۔ حکومت نے مشرقی پاکستان سے متعلق تجویز کو تو درخورِ اعتنا نہ سمجھا، البتہ مغربی پاکستان سے متعلق ہماری تجویز کی طرف نظرِ التفات مبذول کی۔ چنانچہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۴ء کی شام وزیرِ اعظم پاکستان کی طرف سے ایک نشری تقریر میں اعلان کیا گیا کہ:

ون یونٹ

> آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے یکم نومبر کے براڈ کاسٹ میں صوبائی تعصب کے خطرات کی طرف توجہ دلائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سب صوبائیت کے خطرے سے آگاہ ہوں گے ..... پاکستان میں باہمی تفریق کی ایسی مصنوعی لکیریں کھینچی ہوئی ہیں کہ جن سے ہماری قومی وحدت قائم نہیں رہتی۔ ہمیں بلا استثناء سب کو یقین ہو چکا ہے کہ جب تک ان مصنوعی حدود و بندیوں کو نہ توڑا جائے گا صوبائی تعصب کی لعنت دور نہیں ہوگی۔ اب یہ مطالبہ چاروں طرف سے اٹھ رہا ہے کہ صوبائیت کی یہ لعنت جو ملت واحدہ کی حیثیت سے ہمارے وجود ہی کو خطرہ میں ڈال رہی ہے اس کا استیصال ضروری ہے ..... پاکستان کی آئیڈیالوجی ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک قرآن کی بنیادوں پر استوار ہے۔ اور یہی وہ آئیڈیالوجی ہے جو تمام اہلِ پاکستان کو ایک ملت بنا سکتی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ

> کچھ عرصہ پہلے میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرے نزدیک بہترین اندازِ حکومت تو وحدانی انداز تھا لیکن چونکہ تمام پاکستان کو ایک وحدت بنانا ممکن نہیں اس لئے ہمیں کم از کم مغربی پاکستان کو ایک وحدت بنا دینا چاہیئے۔ مغربی پاکستان کی موجودہ صوبائی تفریق کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔ گزشتہ سات سال میں اس مصنوعی تقسیم نے تشتت و انتشار کے سوا اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کیا ...... ویسے بھی ہمارے لئے یہ مشکل ہے کہ ہم ایسے اندازِ حکومت کی مسرفانہ عیاشی کو برداشت کر سکیں جس میں چھ یا سات الگ الگ اسمبلیاں، الگ الگ وزارتیں، الگ الگ سیکرٹریٹ اور خدا جانے کیا کیا الگ الگ ساز و سامان ہوں۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ پورے مغربی پاکستان کو ایک وحدت بنا دیا جائے۔

اس پر ہم نے اظہارِ تشکر کیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ

"یہ قدم جو اب اٹھایا گیا ہے ہرچند بڑا اہم اور قابلِ قدر ہے لیکن یہ بہرحال ایک تخریبی قدم ہے یعنی اس سے صوبائی تفریق کی لعنت ختم ہو گئی لیکن ملت کی وحدت اسی صورت میں قائم ہوگی جب اس کے بعد تعمیری قدم بھی اٹھایا جائے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اب جو صوبائی تفریق کا سانپ مرا ہے تو اس کی لکیریں بھی باقی نہیں رہنی چاہئیں۔ مفاد پرست گروہ یقیناً اس قسم کے سوالات پیدا کریگا کہ اس نئی وحدت میں پرانے صوبائی تحفظات ضرور ہونے چاہئیں۔ اگر اس قسم کا کوئی مطالبہ بھی تسلیم کر لیا گیا تو یاد رکھئے جس مقصد کے لئے یہ قدم اٹھایا گیا ہے وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکے گا۔ اس کے بعد ہمیں ہر قدم ایسا اٹھانا چاہیئے جس سے اس فتنہ ماضی کی یاد تک بھی دلوں میں باقی نہ رہے۔ پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچی الگ الگ کلچر اور روایات کا خیال عہدِ جاہلیت کے تصورات کا نتیجہ ہیں اِن

کا ایک ہی کلچر ہوتا ہے اور ایک ہی روایات۔ اسلام اس کا کلچر ہے اور اسلامی روایات ہی اس کی روایات ہیں۔ لہٰذا اس خیال کے مطابق جداگانہ تحفظات کے کسی مطالبہ کو تسلیم نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ جو علاقے پسماندہ ہوں ان کی مدد کرکے انہیں دوسروں کے برابر لے آنا سب سے پہلا فریضہ ہے۔ اسی کا نام قرآن کی زبان میں "احسان" ہے یعنی جہاں کسی کی کسی کمی سے معاشرہ کے تناسب میں فرق آ جائے اس کمی کو پورا کرکے معاشرہ کے حسن کو برقرار کر دیا جائے۔ اس باب میں طلوع اسلام وقتاً فوقتاً اپنے مشورے پیش کرتا رہیگا۔

دوسرا سوال پاکستان کے اندازِ حکومت کا ہے۔ مغربی پاکستان کو ایک وحدت بنا دینے سے مشرق اور مغرب کی اس آویزش کا حل نہیں ہو جاتا جسے جسدِ ملت میں ناسور بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ بحالاتِ موجودہ ہمارے نزدیک خوشگوار تعلقات کی بہترین شکل یہی ہے کہ ان دونوں خطوں کو زیادہ سے زیادہ داخلی آزادی دی جائے اور ایک قسم کا نفیڈریسی سے دفاع، امورِ خارجہ، کرنسی وغیرہ جیسے اہم امور مرکز کی تحویل میں رہیں۔ اور مرکز میں کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہونے دی جائے جس میں ایک خطہ کسی دوسرے خطہ پر تغلب حاصل کرلے۔ ہم اس حقیقت کو پھر دہرا دیتے ہیں کہ ایک اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو آئین و قانون کے کاموں میں کبھی شریک نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کے آئین کے معاملہ میں اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں اور تعلقات کے بہتر ہو جانے پر وحدانی انداز کی حکومت کے امکانات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ "

مغربی پاکستان میں ون یونٹ بنانے کو تو بنا دیا گیا لیکن اس کی کامیابی کے لئے جن تعمیری اقدامات کی ہم نے نشاندہی کی تھی ان میں سے کسی ایک کو بھی اختیار نہ کیا گیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ دو ہی سال بعد مغربی پاکستان میں ون یونٹ کے خلاف آوازیں اٹھنی شروع ہو گئیں اور مشرقی پاکستان کی طرف سے مطالبات پیش ہونے شروع ہو گئے کہ انہیں "کامل خود مختاری" ملنی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں طلوع اسلام نے اپنی مئی ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں لکھا کہ:

کامل خود مختاری کا مطالبہ

> "کامل خود مختاری" سے ان حضرات کا مفہوم کیا ہے اسے واضح نہیں کیا جاتا لیکن اس سے فضا میں جو اثر پیدا ہو سکتا ہے (اور پیدا ہو چکا ہے) ظاہر ہے۔ اس سے ہر شخص کے دل میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ مشرقی پاکستان آہستہ آہستہ مرکز سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتا ہے ظاہر ہے کہ یہ چیز وہاں کے ہندوؤں (اور کمیونسٹوں) کی منشا کے عین مطابق ہے اور وہ اپنے (اور بھارت کے) مفاد و مصالح کی خاطر یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ اور ہمارے مسلمان بھائی دانستہ یا نادانستہ ان کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور نہیں سوچتے کہ وہ جس شاخ پر بیٹھے ہیں اسی کو کاٹنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ (ص ۱)

مشرقی پاکستان میں بسنے والے ہندوؤں کے عزائم کیا تھے یہ الگ مستقل موضوع ہے اور فرصت کا متقاضی۔ اس وقت میں صرف ان تین سطروں کے اقتباس پر اکتفا کروں گا جو ہندوستان ٹائمز کی ۱۸ نومبر ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں اس اخبار کے نامہ نگار کے حوالے سے شائع ہوئی تھیں۔ اس نے کہا تھا۔

> مشرقی پاکستان کے نوجوان ہندوؤں نے آزادیِ وطن کی تحریک میں بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔ وہ اب یہاں مسلمانوں کی حکومت کے تابع زندگی سے کبھی موافقت نہیں کر سکتے جسے وہ اپنے لئے ذلت آمیز سمجھتے ہیں۔

اس مسئلہ کے حل کے لئے اس زمانے کے ہندوستان کے نائب وزیر اعظم مسٹر پٹیل نے کہا تھا کہ اگر مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کی یہی حالت رہی تو ہم اس ساڑھے کروڑ آبادی کو کھپانے کے لئے پاکستان سے کافی علاقہ کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہونگے۔ اور اگر پاکستان نے انکار کیا تو ہم اس پر چڑھائی کر دینگے۔ طلوع اسلام شروع سے اس خیال کا حامی تھا کہ ہندوستان اور

پاکستان میں کشیدگی کم کرنے کا طریقہ تبادلۂ آبادی ہے۔ اس بنا پر ہمیں مسٹر پٹیل کی اس تجویز کا خیر مقدم کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن ریانہ کیا گیا اور ہندوؤں کو مشرقی پاکستان میں آزاد چھوڑ دیا گیا کہ وہ جو سازشیں جی میں آئے کرتے چلے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں مرکز سے علیحدگی کا رجحان دن بدن تقویت پکڑتا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی طلوع اسلام برابر وارننگ دیتا چلا گیا کہ وہ خطۂ زمین ہاتھوں سے نکلا جارہا ہے۔ اسے بچانے کی کوئی تدبیر کرو۔ لیکن اس پر بھی کسی کی آنکھ نہ کھلی۔ ۱۹۶۶ء میں مجیب نے اپنے چھ نکات پیش کئے تو طلوع اسلام نے شور مچایا کہ یہ پاکستان سے علیحدگی کی تمہید ہے۔ اس فتنہ کا سر ابھی سے کچل دو تو پاکستان محفوظ رہ سکیگا۔ ۶۹-۱۹۶۸ء میں جب مجیب کے خلاف زیر سماعت اگرتلہ کیس کو کالعدم قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا تو طلوع اسلام نے عدل و قانون کے نام پر دہائی دی اور برملا کہا کہ مجیب کے خلاف غداری اور بغاوت کا مقدمہ دائر ہے۔ جو لوگ اس مقدمہ کی تنسیخ کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ بھی برابر کے مجرم ہیں۔ اگر اسے اس طرح رہا کر دیا گیا تو وہ عملاً بغاوت پر اتر آئے گا۔ یہ اوائل ۱۹۶۹ء کی بات ہے۔ اس کے بعد طلوع اسلام کی شاید ہی کوئی اشاعت ایسی ہو جس میں اس آنے والی قیامت کے متعلق وارننگ نہ دی گئی ہو۔ لیکن قوم کی حالت وہ ہو چکی تھی جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۔ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ۔ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۔ (۷/۱۷۹)۔ ان کے سینوں میں دل تو دھڑکتے ہیں لیکن وہ ان سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے۔ ان کی ماتھے کی آنکھیں بھی کھلی ہوتی ہیں لیکن وہ ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ ان کے کان بھی وا ہوتے ہیں لیکن وہ ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ وہ اندھا دھند جہنم کے گڑھے کی طرف لپکے چلے جاتے ہیں جہاں سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

(۰)

سندھ میں صوبائی عصبیت

یہ تھا عزیزان من! مشرقی پاکستان کا جانکاہ المیہ۔ اب مغربی پاکستان کی طرف آیئے۔ اس سلسلہ میں میں نے سندھ کی بات شروع کر کے اسے ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے بتایا تھا کہ سندھ میں، پاکستان کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی، تفرقہ اور غیریت کی ہوائیں چلنی شروع ہو گئی تھیں۔ اس سلسلہ میں آغاز سخن جنوری ۱۹۴۸ء میں کیا گیا تھا۔ فروری ۱۹۴۸ء میں سندھ اسمبلی میں ایک صاحب کی طرف سے یہ تجویز پیش کر دی گئی کہ کراچی کو سندھ سے علیحدہ کر کے مرکز کی تحویل میں دے دیا جائے۔ اس پر ایوان میں جس انداز سے بحث چھڑی تھی اسے سنکر ہر محب وطن پاکستانی کی نگاہیں شرم سے زمین میں گڑ جاتی تھیں۔ ایک طرف سے آواز اٹھی کہ یہ فتنہ "پنجابیوں" کا اٹھایا ہوا ہے جو قائد اعظم کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف سے ایک صاحب نے فرمایا کہ نہیں ----! قائد اعظم خود سندھی ہیں۔ اس لئے ہمیں امید ہے کہ وہ پنجابیوں کے آلۂ کار نہیں بنیں گے اور سندھیوں کے مفاد کا تحفظ کرینگے ---- اس کے بعد سندھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے زیر اہتمام کراچی کی سڑکوں پر جلوس نکلنے شروع ہو گئے جن میں نعرہ یہ بلند کیا گیا کہ "سندھ ہمارا ہے" اس پر طلوع اسلام نے ان عزیزوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "ہمارے عزیز نوجوانو! آپ اپنی نگاہوں کو اس قدر تنگ کیوں کر رہے ہیں۔ اللہ نے آپ کو بہت بڑی زمینوں کا مالک بنا دیا ہے اور آپ ہیں کہ اپنے آپ کو ابھی تک سندھ کی چار دیواری میں محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کہ صرف سندھ ہی آپ کا نہیں، اللہ کے فضل و احسان سے بلوچستان بھی آپ کا ہے، پنجاب بھی آپ کا ہے، صوبہ سرحد بھی آپ کا ہے اور مشرقی پاکستان بھی آپ کا ہے۔ آپ اپنی نگاہوں کو وسعت کیوں نہیں دیتے ---- تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا۔" (طلوع اسلام۔ مارچ ۱۹۴۸ء)

برادرانِ من! آپ ایک بار اس حقیقت کی یاد پھر تازہ کر لیجیے کہ یہ باتیں تشکیلِ پاکستان کے چار پانچ ماہ بعد شروع ہو گئی تھیں۔ یہ آگ سلگتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی اور کسی نے اسے فرو کرنے کی کوشش نہ کی تا آنکہ اس نے ایک ایسی تحریک کی شکل اختیار کر لی جس کا مطلوب و منتہیٰ ایک جداگانہ خود مختار اسٹیٹ کے قیام کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تحریک اسی نہج سے خطرناک نہیں کہ اس کا مقصد سندھ کو ایک جداگانہ مملکت قرار دینا ہے۔ اس تحریک کا فطری نتیجہ مغربی پاکستان کے ہر صوبے کو الگ آزاد ریاست قرار دے کر پاکستان کے وجود ہی کو ختم کر دینا ہے۔ اس تحریک کا تعارف ۱۹۶۷ء میں ایک نہایت معصوم اور بے ضرر سے تلبیسی پردہ میں

مختلف قومیتوں کا فتنہ

ہوا جب کراچی کی ایک "عوامی ادبی انجمن" کی طرف سے ایک پمفلٹ شائع ہوا جس پر منجملہ دیگر "دانشورانِ ملت" جناب جوشؔ ملیح آبادی اور فیضؔ احمد فیضؔ کے دستخط ثبت تھے۔ اس پمفلٹ میں کہا گیا تھا:

> ہمارے نزدیک اس جمہوری آزادی میں قوموں کی ترقی کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جو مختلف قوموں کا وطن ہے، وہ حالات پیدا کیے جائیں کہ سب قومیں ان کی زبانیں اور تہذیبیں کسی ایک قوم کے اثر اور تسلط سے آزاد ہو کر خود مختارانہ ترقی کر سکیں۔ اس لئے ہم ادیب تمام قوموں کے لئے یکساں داخلی خود مختاری، ان کی زبانوں کے لئے تعلیم، دفتر اور ملازمتوں کی زبان بننے کا حق چاہتے ہیں ..... ہمارے نزدیک پاکستان کی تمام قومیں مساوی حقوق کی مالک ہیں۔

لیجئے! آپ صوبجاتی تفریقات کا رونا روتے تھے، انہوں نے سرے سے پاکستان ہی کو ختم کر دیا۔ اس حقیقت سے سیاسیات کا ایک ابجد خواں بھی واقف ہے کہ کسی خطۂ زمین کے الگ اسٹیٹ بننے کیلئے کم از کم تین تقاضے لاینفک ہیں۔ اوّل یہ کہ اس مملکت کی حدود متعین ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس میں ایک قوم بستی ہو۔ اور تیسرے یہ کہ وہ مملکت اپنے فیصلوں کے لیے کاملتہً آزاد ہو۔ ان میں سے اگر ایک عنصر بھی معدوم ہو جائے تو اس اسٹیٹ کا جداگانہ وجود باقی نہیں رہتا۔ زیر نظر اسکیم میں خیال یہ ابھارا گیا کہ پاکستان میں ایک قوم نہیں بستی (چار) الگ الگ قومیں بستی ہیں۔ یعنی بلوچی، سندھی، پنجابی، پٹھان۔ آپ خیال کیجیے کہ اگر ان قوموں کا الگ الگ وجود تسلیم کر لیا جائے تو پاکستانی قوم کا وجود خود بخود مٹ جاتا ہے اور جب پاکستانی قوم باقی نہ رہے تو پاکستانی مملکت بھی باقی نہیں رہتی۔ اس کی جگہ چار الگ الگ آزاد مملکتیں وجود پذیر ہو جاتی ہیں۔ طلوعِ اسلام نے اپنی دسمبر ۱۹۶۸ء کی اشاعت میں اس زہر افشاں تحریک کا سختی سے مواخذہ کیا لیکن حکومت کی طرف سے اس کا کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ اب یہ تصور ایک سیاسی تحریک کی شکل اختیار کر رہا ہے اور ہماری نئی نسل میں اسے بڑے شد و مد سے پھیلایا جا رہا ہے۔

مشرقی پاکستان کے الم انگیز حادثہ کے بنیادی اسباب پر بحث کرتے ہوئے ہم نے وضاحت سے بتایا تھا کہ اس کی علت العلل یہ ہے کہ ہم نے وہاں کی نئی نسل کو اسلام کی اس تعلیم سے بیگانہ رکھا جس کی بنیادوں پر مملکت پاکستان کی عمارت استوار ہوئی تھی۔ چنانچہ وہاں کی نئی پود نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ پاکستان نے ہم سے ہمارے قدیم خداؤں — برہما، وشنو، بھگوان کو چھڑا کر (معاذ اللہ) ایک بدیشی خدا (اللہ) کو ہم پر مسلط کر دیا۔ چونکہ طلوعِ اسلام کنونشن کا ایک اجلاس مسئلہ تعلیم کے لئے مختص کر دیا گیا ہے اس لئے اس سوال پر میں سر دست مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا، بجز اس کے کہ اس بنیادی مسئلہ کی طرف سے ہماری مجرمانہ تغافل نے جو صورتِ حال مشرقی پاکستان میں پیدا کر دی تھی، بعینہٖ وہی کیفیت سندھ میں بھی پیدا ہو گئی تھی۔ (مثلاً) کراچی سے شائع ہونے والے روزنامہ حریت کی (ہفتہ وار اشاعت بابت ۴ نومبر ۱۹۶۹ء میں) ایک سندھی طالبہ مس نسیم مغل کا ایک خط

چھپا تھا جس میں اس نے لکھا تھا۔

وہ اسلام اور پاکستان جو ہم سے ہمارا سندھ اور سندھی زبان چھینے' ایسے اسلام اور پاکستان کو ہم اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔ یہ جھوٹ ہے کہ سندھ صرف اسلام اور اسلامی فلسفہ کی وجہ سے عظیم ہے۔ سندھ کی عظمت' سندھ کے سادہ لوح بہادر عوام ہیں۔ سندھ' موہن جوڈارو' کوٹ ڈی جان کے آثارِ قدیمہ' اور لطیف' سچل' ایاز' جی ایم سید کی طرح کے شاعروں اور دانشوروں کی وجہ سے عظیم ہے۔ وہ اپنی تہذیب کی وجہ سے عظیم ہے نہ کہ اسلام کی وجہ سے۔

(طلوعِ اسلام۔ دسمبر ۱۹۶۷ء)

طلوعِ اسلام نے اس کا بھی مواخذہ کیا لیکن قوم نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی جس کا نتیجہ آج یہ ہے کہ وہاں اُسی قسم کی تیاریاں ہو رہی ہیں جس قسم کی تیاریاں مجیب نے مشرقی پاکستان میں کی تھیں۔ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی سازش کی ابتداء زبان کے مسئلہ سے کی گئی تھی۔ اب سندھ میں جس طرح اس مسئلہ کو ہوا دی جارہی ہے' وہ آنے والے طوفانوں کا غماز ہے۔ تحریکوں کی نوعیت اور غایت دونوں جگہ ایک ہے فرق صرف علاقوں کے نام کا ہے۔

تماشہ ایک ہی ہے تم اسے جس دور میں دیکھو ؎ وہی بھولی ہوئی منزل' وہی بھٹکے ہوئے راہی!

(۵)

صوبہ سرحد سندھ کے ساتھ ہی ہمارے سامنے صوبہ سرحد آجاتا ہے۔ تحریکِ پاکستان کے دوران وہاں' خان عبدالغفار خان کی تحریک سرخ پوشاں (یا خدائی خدمتگار) زوروں پر تھی اور مطالبہ پاکستان کی مخالفت جس قدر اس تحریک کی طرف سے ہوئی تھی' گاندھی' پٹیل اور نہرو بھی اس شدت تک نہیں پہنچے تھے۔ آپ اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہیں تو (مولانا) آزاد مرحوم کی آخری تصنیف — انڈیا ونز فریڈم — کا مطالعہ کیجئے۔ اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ جب کانگریس کے تمام ہندو لیڈروں نے بھی مطالبہ پاکستان کو تسلیم کر لیا تو اس وقت مولانا صاحب' اور خان عبدالغفار خان دو ایسی شخصیتیں تھیں جنہوں نے اس کی شدت سے مخالفت کی حتیٰ کہ خان صاحب نے بھری محفل میں یہاں تک کہہ دیا کہ پاکستان کو تسلیم کر کے کیا کانگریس ہماری خدمات کا صلہ یہ دینا چاہتی ہے کہ ہمیں "بھیڑیوں کے حوالے کر رہی ہے" اس کے بعد ان کے اصرار پر سرحد میں ریفرینڈم ہوا جس میں وہ یہ شرط بھی رکھنا چاہتے تھے کہ پٹھان اپنی آزاد مملکت ..... چاہتے ہیں۔ ریفرینڈم ناکام رہا اور پاکستان وجود میں آگیا لیکن خان صاحب نے اپنے اس مطالبہ کو نہ چھوڑا۔ چنانچہ جب وہ پاکستان کی مجلس دستور ساز کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے اپنے اس مطالبہ کو اسمبلی میں پیش کر دیا اور اس کے حق میں دلیل یہ دی کہ:۔

ہم تمام پٹھانوں کے لئے پاکستان میں ایک خودمختار علاقہ چاہتے ہیں۔ میرا مطالبہ وہی ہے جو اسلام کا مطالبہ ہے ہم چاہتے ہیں کہ ڈیورنڈ لائن سے مشرق کی طرف تمام پٹھان متحد ہو جائیں اور اس مقصد کے لئے ہم آپ کی امداد کے خواہاں ہیں۔

اس مطالبہ کو ہندوستان میں بہت اچھالا گیا اور دہلی کے اخبار ہندوستان ٹائمز نے اسے اپنی ۸ مارچ ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں نمایاں طور پر شائع کیا۔ پاکستان اسمبلی میں یہ چلا ہوا کارتوس مؤثر ثابت نہ ہوا تو علیحدگی پسند عناصر نے خان صاحب کی اس آواز پر لبیک کہا اور "آل پاکستان پیپلز پارٹی" (جماعتِ جمہور) کے نام سے ایک جداگانہ پارٹی کی تشکیل کی جس کا

مقصد بتایا گیا ہے:۔

(۱) پاکستان کو ایک اشتراکی جمہوریت بنانا۔ اور

(۲) ملک میں ثقافتی اور لسانی حدود پر مختلف حصوں کو خود مختاری عطا کرنا۔

اس کے بعد جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں کچھ ریشہ دوانیوں کی بنا پر حکومت نے سرخپوش جماعت کو خلافِ قانون قرار دے دیا اور اس کے ممتاز قائدین کو گرفتار کر لیا گیا تو اس کے خلاف ہندوستان کی پارلیمینٹ تک میں صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ اس سلسلہ میں ایک نکتہ بڑا معنی خیز اور غور طلب ہے۔ پارلیمان کے ایک ممبر نے تجویز کیا کہ "بین الملکی قیدیوں کے تبادلے کے سلسلے میں خان برادران کو ہندوستان منتقل کرنے کا انتظام کیا جائے۔" اس کے جواب میں بھارتی وزیر (بے محکمہ) مسٹر آئنگر نے کہا کہ:۔

پاکستان کو اس کے "اعمالِ بد" سے باز رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ خان برادران وہیں رہیں۔

اس کے علاوہ وہاں کے اخبار ہندوستان ٹائمز اور مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) وغیرہ نے کیا کیا کچھ کہا وہ کہا۔ اس کی تفصیل طلوعِ اسلام کی اشاعت بابت اکتوبر ۱۹۴۸ء میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حکومتِ پاکستان نے تحریکِ پختونستان پر پابندی عائد کی تو اس تحریک نے مختلف بیرونی ممالک میں اپنی شاخیں پھیلانی شروع کر دیں۔ امریکہ میں اس کا ہیڈ کوارٹر کیلیفورنیا کا شہر سحر منتو تھا۔ وہاں ۱۳ ستمبر ۱۹۵۳ء کو اس تحریک کا یوم آزادی منایا گیا اور اس میں اس سوسائٹی کے صدر ڈاکٹر اورنگ زیب شاہ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ اس تحریک کے اغراض و مقاصد کیا ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کہا:۔

چھ سال پہلے کا ذکر ہے کہ آج کے دن پختونستان کے باشندوں نے اپنے اس عزم راسخ اور نصب العین زندگی کا اعلان کیا کہ وہ مکمل آزادی حاصل کر کے رہیں گے اور اقوامِ عالم میں ایک خود مختار اور آزاد مملکت کی حیثیت سے زندگی بسر کریں گے ...... ہندوستان کی آزادی کے بعد پختون کا خیال تھا کہ انہیں ایک آزاد وحدت کی حیثیت سے حقوق خود اختیاری مل جائیں گے جس طرح برما اور سیلون کو ملے تھے لیکن افسوس ہے کہ انہیں ان حقوق سے محروم رکھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ مجبور ہو گئے کہ اپنی آواز بلند کریں اور حصولِ آزادی کے لئے ایک قوم کی حیثیت سے کھڑے ہو جائیں۔ چونکہ پختونستان کے رہنے والے افغان ہیں اس لئے یہ قدرتی بات تھی کہ افغانستان ان کے مطالبہ کی تائید کرتا اور اسے دنیا کے سامنے پیش کرتا۔ چنانچہ افغانستان کی حکومت اور وہاں کے باشندوں نے اس بات کا حلف لیا کہ وہ اس مطالبہ کی تائید بھی کریں گے اور اس کے حصول میں مدد بھی دیں گے۔ (ہفتہ وار طلوعِ اسلام۔ بابت [illegible])

وسط ۱۹۵۸ء کی بات ہے کہ اس زمانے کے وزیر داخلہ جنرل اسکندر مرزا (مرحوم) نے خان عبدالغفار خان کی خلافِ پاکستان سرگرمیوں کا رونا رویا اور کہا کہ اس قسم کی سازشوں کو حکومت برداشت نہیں کر سکے گی۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے طلوعِ اسلام نے (اپنی اشاعت بابت ۸ اگست ۱۹۵۸ء میں) جو کچھ لکھا وہ غور سے سننے کے قابل ہے۔ اس نے کہا کہ

اگر جناب ارباب حل و عقد چاہتے ہیں کہ سرحد بھی اسی طرح ہاتھ سے نکل جائے جس طرح بنگال ہاتھ سے نکل چکا ہے (اور یاد رہے کہ سرحد کے ہاتھ سے نکل جانے کے نتائج کہیں زیادہ دور رس اور تباہی خیز ہوں گے) تو اس کا علاج نہ وزارت بدلنے میں ہے، نہ خان عبدالغفار خان کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانے میں۔ اس کا واحد علاج یہ ہے

کہ وہاں نظم و نسق کی بدعنوانیوں سے جو ابتری پھیل رہی ہے اسے فوراً دور کیا جائے۔ وہاں کے حالات یہ ہیں کہ لوگ اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی تک کے لئے محتاج ہو رہے ہیں۔ نہ ان کے بچوں کو ٹھکانے سے روٹی کپڑا نصیب ہے، نہ ان کے جانوروں تک کو چارہ۔ تمام بڑے بڑے گاؤں میں غنڈہ گردی ہو رہی ہے جو خود پولیس (اور بعض اوقات) وہاں کے اسمبلی کے ممبروں کے اشاروں پر لوٹ مچا رہے ہیں اور شریفوں پر گوشۂ عافیت تنگ کر رہے ہیں۔ معاشرے سے امن اور اطمینان دونوں مفقود ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ لوگوں کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری حکومت اپنے سر پر لے۔ یہ ہے وہ سب سے بڑا موثر حربہ جو عبدالغفار خان اور ان کے شرکا کی تخریبی کوششوں کا صحیح معنوں میں توڑ ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد ہم نے کہا کہ

اگر ہمارے اربابِ بست و کشاد نے یہ نہ کیا تو پھر ہمیں اس دن کا انتظار کرنا چاہیئے جب صوبہ سرحد ہم سے کٹ کر افغانستان کے ساتھ جا ملے۔ اس لئے کہ پختونستان کے نعرہ اور ون یونٹ کی مخالفت کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما ہے اور یہ جذبہ دہلی اور کابل دونوں مرکزوں سے ہلائی جا رہی ہے۔ اس کے لئے خان عبدالغفار خان کو "فخرِ ایشیا" بننے کے خواب دکھائے جا رہے ہیں۔ آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ ہمیں پشاور میں جو سب سے پہلا سپاسنامہ پیش کیا گیا ہے اس میں انہیں اسی لقب سے مخاطب کیا گیا ہے۔

خدا کرے کہ ملک کا ہوشمند طبقہ اس خطرہ کو صحیح طور پر محسوس کرے۔

لیکن ہوشمند طبقہ کے ہوش میں آنا تھا نہ آیا۔ اور اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ (آل انڈیا ریڈیو کے مطابق) خان عبدالغفار خان افغانستان میں بیٹھے ٹائمز آف انڈیا کے نمائندے مسٹر دلیپ کمار مکرجی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

چند سال پہلے کا پاکستان اب مرچکا ہے۔ مغربی پاکستان میں چار قومیتوں کے درمیان رشتہ کے لئے اسلام کافی نہیں رہیگا۔ اس کے لئے سیکولر بنیادوں پر رشتے کی تعمیر کرنی ہوگی۔

اور ان کے صاحبزادہ والا تبار خان عبدالولی خان یہاں "چار قومیتوں" کی تحریک کو فروغ دے رہے ہیں اور اپنی پارٹی کے منشور میں سیکولرازم کو اپنا نصب العین۔ اور اس کے ساتھ ہی پختونستان کی تحریک سے اپنی لاتعلقی کا اعلان بھی فرما رہے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ "چار قومیتوں" کا عملی نتیجہ صوبہ سرحد ہی میں نہیں بلکہ چاروں صوبوں میں آزاد مملکتوں کا قیام نہیں تو اور کیا ہے؟ اور کیا اس سے پختونستان کا مطالبہ خود بخود پورا نہیں ہو جاتا!

پارٹیوں کا وجود اور طلوعِ اسلام

خان عبدالغفار خان صاحب کی پارٹی کا ذکر آیا تو مختصر طور پر ہمیں اس کا بھی جائزہ لینا چاہیئے کہ پارٹیوں کے سلسلہ میں طلوعِ اسلام نے کیا کہا، قوم کو ان کے کن خطرہ سے کس طرح آگاہ کیا۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، قرآن کریم نے نوعِ انسان کو دو قوموں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ جو وحی (قرآن مجید) کی ابدی صداقتوں پر یقین رکھے۔ (اسے امتِ مسلمہ یا جماعتِ مومنین کہا جاتا ہے)۔ دوسری وہ جو ان صداقتوں سے انکار کرے۔ (یعنی غیر مسلم)۔ امتِ مسلمہ غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک پارٹی ہے (قرآن نے اسے حزب اللہ کہا ہے) اس لئے اس پارٹی کے اندر

کسی سسٹم کا تفرقہ — خواہ وہ مذہبی فرقوں کی شکل میں ہو یا سیاسی پارٹیوں کے پیکر میں — بنص صریح شرک ہے۔ متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی الگ تنظیم کی ضرورت تھی تاکہ وہ اپنے مطالبہ پاکستان کو اجتماعی حیثیت سے پیش کر سکیں۔ اس تنظیم کا نام مسلم لیگ تھا جس کے سربراہ قائداعظم تھے۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد اس کی ضرورت باقی نہ رہی کیونکہ اب پوری کی پوری ملتِ پاکستانیہ ایک پارٹی تھی۔ طلوع اسلام نے اس کا احساس کیا کہ یہاں کہیں پارٹی سازیوں کی لعنت نہ شروع ہو جائے ظاہر ہے کہ اس کی ابتدا خود مسلم لیگ سے کی جانی ضروری تھی۔ یہ مقام بڑا نازک تھا۔ اس کی وضاحت کے لئے مجھے ذرا پیچھے جانا ہوگا۔ قائداعظمؒ کے ساتھ میرے تعلقات کیسے تھے میں نے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا، نہ ہی میں اس کی ضرورت سمجھتا ہوں لیکن بعض ایسے واقعات سامنے آجاتے ہیں جن میں ان کا ضمنی تذکرہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ زیرِ نظر واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

قائداعظمؒ کے ساتھ تعلقات

طلوع اسلام جاری ہوا تو یہ چند احباب کی انفرادی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ان میں کوئی بھی سرمایہ دار نہیں تھا۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ پرچہ چھپ گیا لیکن اس کی پوسٹیج کے لئے پیسے نہیں تو مقامی پرچے اپنی احباب نے دستی تقسیم کر دیئے۔ قائداعظمؒ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ایک دو مرتبہ کہا کہ طلوع اسلام مسلم لیگ کا ترجمان ہے اگرچہ لیگ کی اپنی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہے لیکن وہ اس کی اتنی مدد تو کر سکتی ہے جس سے یہ اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل ہو جائے۔ میں نے ان کے اس التفات کو مسکرا کر ٹال دیا۔ ایک دفعہ انہوں نے ذرا زیادہ زور سے کہا اور میں نے معذرت چاہی تو انہیں شاید یہ ناگوار گذرا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اتنی بار کہا ہے اور تم نے ہمیشہ اس پیشکش کو مسترد کر دیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس امداد سے تمہیں خریدنا چاہتا ہوں، تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں؟

جو حضرات قائداعظمؒ کے مزاج سے واقف ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ انہوں نے کس شدتِ جذبات سے یہ بات کہی تھی اور اس کے بعد بھی اسے قبول نہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا۔ لیکن وہ مجھ سے جس شفقت سے پیش آیا کرتے تھے اس نے مجھے کچھ زیادہ ہی جرأت آموز بنا دیا تھا۔ میں نے ان کے ارشاد کو سنا اور عرض کیا کہ بات یہ نہیں کہ مجھے آپ پر اعتماد نہیں۔ اصل یہ ہے کہ مجھے اپنے آپ پر اعتماد نہیں۔ اس وقت میری یہ کیفیت ہے کہ قلم اٹھاتا ہوں تو خدا کے سوا ... کسی کا خوف میرے اور میرے قلم کے درمیان حائل نہیں ہوتا۔ ڈرتا ہوں کہ اگر کبھی ایسا وقت آ گیا کہ مجھے آپ کے خلاف کچھ لکھنا پڑا تو یہ چیز میرے راستے میں حائل نہ ہو جائے۔ اس لئے اس ارشاد کی تعمیل سے معذرت چاہتا ہوں۔ میری اتنی گستاخی۔ پھر انہوں نے جس محبت اور شفقت سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اس کی ٹھنڈک میں آج تک محسوس کرتا ہوں۔:

اور اتفاق دیکھئے کہ وہ وقت آ گیا جب مجھے قائداعظمؒ کے خلاف بھی قلم اٹھانا پڑا۔

تشکیلِ پاکستان کے بعد قائداعظمؒ کے ارشاد کے مطابق مسلم لیگ کی تنظیم نو کا پروگرام شروع کیا گیا۔ خود قائداعظمؒ نے بھی اس میں بڑی دلچسپی لی اور زور اس بات پر دیا کہ ملک کے نازک تر حالات کے پیش نظر یہاں صرف ایک سیاسی پارٹی مسلم لیگ، رہنی چاہیئے۔ انہوں نے ۲۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو پشاور کے ایک اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

آپ لوگ متحد ہو کر مسلم لیگ سے وابستہ رہیئے کیونکہ تنہا اس جماعت نے پاکستان حاصل کیا ہے۔

(طلوع اسلام۔ جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۳۶)

طلوع اسلام نے مسلم لیگ کی تحریکِ تنظیم کا بھی بھرپور جائزہ لیا اور خود قائداعظمؒ کی اس تقریر کا بھی۔ اس نے کہا کہ ملک میں کسی پارٹی کا وجود نہیں رہنا چاہیئے اور اس کی ابتداء خود مسلم لیگ سے کرنی چاہیئے۔ اس نے لکھا کہ:

(۱) چونکہ پاکستان میں رہنے والے تمام مسلمانوں کا نصب العین حیات ایک ہو چکا ہے (یا یوں کہئے کہ ایک ہونا چاہیئے) یعنی مملکت پاکستان کا استحکام بدیں مقصد کہ یہاں قرآنی نظام زندگی رائج کیا جائے، اس لئے یہاں اب کسی پارٹی کی ضرورت نہیں جو مسلمان اس مقصد کو اپنا نصب العین نہیں سمجھتا، وہ پاکستان کا اور اسلام کا دشمن ہے۔

(۲) چونکہ پاکستان میں کسی پارٹی کی ضرورت نہیں، اس لئے مسلم لیگ کی بھی ضرورت نہیں۔ پاکستانی مسلمان جو مذکورہ صدر مقصد کو اپنا نصب العین سمجھتے ہیں، سب مسلم لیگی ہیں۔

(۳) چونکہ ملت اور حکومت دو جداگانہ چیزوں کا نام نہیں اس لئے حکومت تمام ملت کی مشترک ہونی چاہیئے کسی خاص پارٹی کی نہیں ہونی چاہیئے۔

(۴) اگر پاکستان میں مسلم لیگ قائم ہو گئی تو یہ ایک پارٹی بن جائے گی جس کے مقابلہ میں اور پارٹیاں بھی بن جائیں گی اور اس طرح ملت پھر پارٹی بازی کی لعنت میں گرفتار ہو جائے گی۔ پھر انتخابی معرکوں میں وہی سر تھپول ہوا کرے گی پھر یہ شکست خوردہ پارٹی برسر اقتدار پارٹی کو شکست دینے کے لئے سرگرم عمل رہا کرے گی اور اس طرح ملت کی تمام قوتیں اسی رسہ کشی میں صرف ہو جائیں گی اور اس کا وجود پارٹیوں کی نذر ہو جائے گا۔ پاکستان میں پارٹیوں کا وجود ختم کرنے سے فقط ملت باقی رہ جائے گی اور ملت کے بہترین افراد اس کے نمائندے ہوں گے۔ نمائندوں کے انتخاب میں معیار انتخاب امیدواروں کے جوہر ذاتی ہوں گے نہ کہ پارٹی ٹکٹ کے لیبل۔ اس طرح پارٹی بازی کے جہنم سے نکل کر ہم ملت واحدہ کی جنت کی طرف آسکیں گے۔ (طلوع اسلام مئی ۱۹۴۸ء)

قائد اعظم تو چند مہینوں کے بعد دنیا سے تشریف لے گئے لیکن ان کے بعد جن "زاغوں کے تصرف میں شاہین کا یہ نشیمن" آیا، انہوں نے ملت کے ٹکڑے ٹکڑے تو ایک طرف، اس کا قیمہ کر کے رکھ دیا۔ وہ یہ کر رہے تھے اور طلوع اسلام برابر اپنی اس پکار کو دہرائے جا رہا تھا کہ پارٹی بازی اور گروہ بندی قرآن کی رو سے شرک اور عدالت خداوندی میں جرم عظیم ہے جس کی سزا تباہی اور بربادی سے کم کچھ نہیں ہوتی۔ لیکن اس آواز پر کسی نے کان نہ دھرا تا آنکہ ملت جہنم میں جا گری۔

مذہبی پیشوائیت کا فتنہ

قرآن کریم نے فساد آدمیت کے تین بنیادی گوشوں کا ذکر نمایاں طور پر کیا ہے۔ یعنی ملوکیت (جس کا نمائندہ فرعون تھا) نظام سرمایہ داری (جس کا مجسمہ قارون تھا) اور مذہبی پیشوائیت (جس کا مثالی نمائندہ ہامان تھا)۔ قرآن کریم ان تینوں لعنتوں کے خلاف نقیب انقلاب اور پیغام موت تھا۔

تشکیل پاکستان کے بعد طلوع اسلام نے جہاں اور امکانی فتنوں کی نشاندہی کی وہاں ملت کو مذہبی پیشوائیت کی تباہ کاریوں سے بھی متنبہ کیا۔ تقسیم ہند کے عواقب میں، پناہ گزینوں کے ہزار در ہزار نفوس کے لٹے پٹے قافلے پاکستان کی طرف آ رہے تھے۔ یہ ایسے افراد تھے کہ انہیں اگر یہاں سر چھپانے کے لئے چھت اور کام کرنے کے لئے کچھ ابتدائی وسائل و ذرائع مہیا کر دیئے جاتے تو یہ اپنی روٹی آپ کمانے کے قابل ہو سکتے تھے۔ لیکن ان میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو تمام اسباب و ذرائع کے باوجود ایک وقت کی روٹی کمانے کے بھی قابل نہ تھا۔ اور یہ گروہ تھا مذہبی پیشوائیت کا۔ جنہیں دنیا کا کوئی ہنر نہیں آتا مسجدیں انکی پناہ گاہ ہو سکتی تھیں لیکن مشکل یہ تھی کہ یہاں جس قدر مساجد تھیں ان میں پہلے سے یہ لوگ بیٹھے تھے۔ اور ہندوؤں اور سکھوں کے ترک وطن

کرکے ہندوستان چلے گئے، وہ مندر اور گوردوارے خالی کر گئے جو مولوی صاحبان کو الاٹ نہیں کئے جا سکتے تھے۔ پاکستان میں اس کھیپ کا کھپانا بڑا مشکل تھا۔ ہم نے حکومت سے کہا کہ آپ ان لوگوں کے معاش کا کوئی باعزت ذریعہ مقرر کر دیجئے، ان موجودہ لوگوں کے لئے تو یہ کیجئے اور آئندہ کے لئے یہاں مذہبی مدرسے بالکل نہ کھلنے دیئے جائیں تاکہ یہ سلسلہ آگے نہ بڑھے۔ باقی رہی دینی تعلیم سو اس کا انتظام عام اسکولوں اور کالجوں میں کیا جائے۔ اگر قوم نے ایسا نہ کیا تو یہاں بھی وہی کچھ ہوگا جو انڈونیشیا وغیرہ میں ہوا ہے۔ شروع میں یہ سرچشمہ (سعدی کے الفاظ میں) ایک سلائی سے بند ہو سکتا تھا۔ اب یہ سیلاب بن چکا ہے جس کی طغیانیوں میں ہر سال اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ ان کے مکتبوں اور دارالعلوموں سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں اسی قسم کے بیکاروں کی فوج باہر نکلی چلی آتی ہے۔ یہ وہ فوج ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی فوج نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ ہماری آبادی کا نوّے فیصد حصہ عوام پر مشتمل ہے جسے مذہب سے گہری وابستگی ہے اور وہ مذہبی پیشواؤں کے زیر اثر ہوتے ہیں چنانچہ "مقدسین" کا یہ گروہ جب جی میں آئے، ان عوام کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرکے ملک میں فساد برپا کرا سکتا ہے۔ پاکستان کی تاریخ، ان کے پیدا کردہ فسادات کی مسلسل داستان ہے۔

جماعت اسلامی

ان میں جماعت اسلامی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ اس لئے کہ وہ ہے تو خالصۃً سیاسی جماعت لیکن اس نے نقاب اوڑھ رکھا ہے مذہب کا۔ اس کے لئے ان کی طرف سے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اسلام میں دین اور سیاست الگ الگ نہیں، اس لئے جو جماعت دین کی علمبردار ہو اس کے لئے سیاسی جماعت ہونا لازمی ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام میں دین اور سیاست الگ الگ نہیں لیکن ان کے باہمی امتزاج کی شکلیں مختلف ہیں۔ ایک امتزاج وہ ہے جس میں سیاست، دین کے تابع رہتی ہے۔ یہ سیاست مومنانہ ہے۔ اور دوسری شکل وہ ہے جس میں دین، سیاست کے تابع رکھا جاتا ہے۔ یہ سیاست منافقانہ ہوتی ہے۔ جماعت اسلامی کے ہاں دین ہمیشہ ان کی سیاسی مصلحتوں کے تابع رہتا ہے۔ جس قسم کی ان کی سیاسی مصلحت اسی قسم کا ان کا دین۔ طلوع اسلام نے ان کی اس نقاب پوشی کو تحریک پاکستان کے دوران ہی بھانپ لیا تھا اس لئے قوم کو اس فتنہ سے اسی زمانہ میں آگاہ کر دیا تھا۔ تشکیل پاکستان کے بعد یہ اور کھل کر سامنے آ گئے تو طلوع اسلام نے ان کی سازشوں کو ایک ایک کرکے بے نقاب کرنا شروع کر دیا۔ ان کے پاس طلوع اسلام کے دلائل کا کوئی جواب نہ تھا اس لئے انہوں نے اس سلسلہ میں وہی تکنیک اختیار کی جو ملّائیت کا بنیادی خاصہ ہے۔ یعنی انہوں نے یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ طلوع اسلام منکرِ حدیث ہے، منکرِ شانِ رسالت ہے۔ انہوں نے یہ پراپیگنڈہ اس شدت اور تسلسل سے کیا کہ ملک (بلکہ بیرونِ ملک تک)، کی فضا اس سے مسموم ہو گئی چنانچہ آج حالت یہ ہے کہ جس شخص نے کبھی طلوع اسلام کی شکل تک بھی نہ دیکھی ہو اس کے سامنے بھی اس کا نام لیجئے تو وہ چلا اٹھتا ہے کہ حضرت اس کا نام نہ لیجئے۔ اس سے ایمان خراب ہو جاتا ہے۔

طلوع اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ

طلوع اسلام کے خلاف "انکارِ سنت" کے الزام کا پس منظر بڑا دلچسپ ہے۔ تشکیل پاکستان کے بعد سب سے پہلے مملکت کے لئے آئین مرتب کرنے کا سوال سامنے آیا تو طلوع اسلام نے کہا کہ اس مملکت کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اس لئے اس کا آئین اور نظام بھی اسلامی ہوگا لیکن یہاں حالت یہ ہے کہ ملک میں مختلف فرقے ہیں اور ان کے اختلافات کی بنیاد احادیث پر ہے۔ اگر ہم نے آئین کی بنیاد احادیث پر رکھی (جسے سنت کہہ کر پکارا جاتا ہے) تو اس سے کوئی ایسا ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکے گا جو

یہاں کے تمام فرقوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ اس کے برعکس قرآن کریم ایک ایسی یکسی اساس ہے جو تمام فرقوں کے نزدیک مشترک اور متفق علیہ ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے آئین کی بنیاد قرآن کریم قرار دینی چاہیئے۔

قرآن کریم کو آئین و قوانین کی اساس قرار دینے سے مذہبی پیشوائیت اور اس کے پشت پناہ نظامِ سرمایہ داری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ اساس ان کے لئے کس طرح قابلِ قبول ہو سکتی تھی! یہ حضرات طلوعِ اسلام کی اس تجویز کی مخالفت براہِ راست تو کر نہیں سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے یہ ٹیکنیک اختیار کی کہ طلوعِ اسلام کے متعلق مشہور کر دیا کہ یہ منکرِ رسالت ہے۔ نتیجہ اس کا یہ کہ پچیس سال گزرنے پر بھی پاکستان کا نہ کوئی آئین مرتب ہو سکا ہے اور نہ ہی اسلامی قوانین کا کوئی متفق علیہ ضابطہ۔ لیکن حقیقت تو اپنے آپ کو منوا کر چھوڑتی ہے۔ چنانچہ سالہا سال کے پراپیگنڈے کے بعد بالآخر خود امیرِ جماعتِ اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو اس کا اعتراف و اعلان کرنا پڑا کہ کتاب و سنت کی رُو سے فی الواقعہ کوئی ایسا ضابطہ تو مرتب نہیں ہو سکتا، جسے تمام فرقے اسلامی تسلیم کر لیں (ایشیا۔ ۲۳ر اگست ۱۹۷۱ء)۔ لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس اعتراف کے باوجود حکومت سے مطالبہ اب بھی یہ کیا جا رہا ہے کہ آئینِ پاکستان میں یہ شِق رکھی جانی چاہیئے کہ ملک کا کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہو گا۔ مقصد اس کا اس کے سوا کیا ہے کہ ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکتی رہے!

پاکستان سے انتقام

اصل یہ ہے کہ پاکستان مودودی صاحب کی بھرپور مخالفت کے باوجود متشکل ہو گیا تو وہ اپنی شکستِ پندار کا انتقام لینے کے لئے ہندوستان سے اِدھر آگئے اور آتے ہی یہاں فتنے پھیلانے شروع کر دیئے۔ ان فتنوں کی تفصیل طلوعِ اسلام سے نہیں بلکہ روزنامہ نوائے وقت کی زبانی سنیئے۔ اس نے اپنی ۱۳ر دسمبر ۱۹۶۳ء کی اشاعت کے اداریہ میں لکھا تھا۔

> جب تک انگریزوں کی حکومت تھی تو مودودی صاحب کے ہمدرد، معاون، معتقد، سرکاری افسر اور اہلِ کار، انگریزی حکومت کی وفادارانہ خدمت کرتے رہے اور مودودی صاحب نے انہیں نہ روکا۔ باقی پروپیگنڈا دوسری چیز ہے لیکن کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے بعض اعلیٰ افسر مودودی صاحب کے معاون و سرپرست رہے اور مودودی صاحب کو ان سے مالی اعانت بھی ملتی رہی۔ حیرت ہے کہ جب تک انگریز کا راج تھا اس وقت تک مودودی صاحب نے نہ تو یہ فتویٰ دیا کہ لڑائی کے لئے فوج میں بھرتی حرام ہے نہ یہ اعلان کیا کہ میرے معاونوں اور مریدوں کو انگریزی حکومت سے بغاوت کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ لیکن پاکستان آکر انہوں نے اپنا معیار کچھ اس ڈھنگ کا بنایا کہ پاکستان کے انتہائی مشکلات کے دور میں بھی قدم قدم پر ان کا حکومت سے تصادم ناگزیر ہو گیا۔ حلفِ وفاداری کے مسئلے پر حکومتِ پنجاب سے ان کی چپقلش اسی بنا پر ہوئی اور فوجی بھرتی کا قضیہ بھی اسی وجہ سے پیش آیا۔

چنانچہ اس جماعت نے اس پچیس سال کے عرصہ میں کوئی تعمیری کام نہیں کیا۔ کیا تو صرف اتنا کہ یہاں نہ کسی حکومت کو چین سے بیٹھنے دیا نہ معاشرہ میں امن قائم ہونے دیا۔ لیکن ہمارے نزدیک اس جماعت نے اس کے علاوہ ایک اور نقصان ایسا پہنچایا ہے جس کی تلافی ہو نہیں سکتی۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد یہاں صدیوں کے بعد یہ آواز بلند ہوئی تھی کہ مملکت کے آئین و ضوابط قرآن مجید کے مطابق مرتب ہونے چاہئیں۔ اس جماعت نے محض اپنے حسد اور انتقام جویانہ روش کی رُو سے اس آواز کی اس قدر مخالفت کی کہ لوگ اب کھلے بندوں قرآن کی طرف اپنی نسبت کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ یہ بارگاہِ خداوندی میں ایسا جرمِ عظیم ہے کہ سمجھ میں نہیں

تا آنکہ جب میدانِ حشر میں حضورؐ نبی اکرم خدا کے حضور فریاد کرینگے کہ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًا (۲۵/۳۰) کہ اے میرے پروردگار! یہ ہے وہ قوم جس نے اس قرآن کو بالائے طاق رکھ دیا تھا تو یہ حضرات اس کا کیا جواب دینگے! لیکن ان کی سیاسی مصلحتیں شاید ان کا خیال بھی اس طرف نہیں آنے دیتی ہونگی۔

—— (۱۰) ——

معاشی مسئلہ

حصولِ آزادی کے بعد مملکت کے سامنے بنیادی مسئلہ "روٹی" کا تھا۔ یعنی یہ مسئلہ کہ غریبوں، مفلسوں، ناداروں، مزدوروں، کاشتکاروں اور دیگر محنت کشوں کی ضروریاتِ زندگی کس طرح پوری ہوں۔ اس سلسلہ میں وزیراعظم پاکستان نے اپریل ۱۹۵۰ء میں راولپنڈی میں اپنی ایک تقریر میں کمیونسٹوں کی سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ

> اسلام بجائے خویش ایک مکمل معاشی نظام ہے اس لئے مسلمانوں کو عوام کی معاشی مشکلات کے حل کے لئے کسی بیرونی معاشی نظام کیطرف نگاہ نہیں کرنی چاہیئے۔ قرآن اتحاد، مساوات اور اخوت کی تعلیم دیتا ہے اور اسی تعلیم میں ہماری تمام مشکلات کا حقیقی حل موجود ہے۔

اس تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے روزنامہ ڈان نے اپنی ۱۷ اپریل ۱۹۵۰ء کی اشاعت کے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا۔

> یہ بالکل واضح ہے کہ جو لوگ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں لیکن کسی بیرونی معاشی نظام کو قرآنی نظام سے ارفع و اعلیٰ سمجھتے ہیں تو ایسے لوگ مسلمان ہی نہیں خواہ رسمی طور پر دعویٰ ایمان ہی کیوں نہ رکھتے ہوں اور اپنے غیر اسلامی مقاصد کے لئے اسلام اسلام کیوں نہ پکارتے رہیں۔

وزیراعظم کی مذکورہ بالا تقریر اور ڈان کے اس افتتاحیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے طلوعِ اسلام نے اپنی مئی ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں لکھا:-

> "ان بصیرت افروز حقائق کی صداقت میں کسے کلام ہے لیکن جب فریقِ مقابل پوچھتا ہے کہ وہ قرآنی نظامِ معاش جسے آپ تمام نظامہائے عالم سے ارفع و اعلیٰ بتا رہے ہیں ہمیں کہاں ملے گا تو فرمائیے! اس کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ اس کا اعتراض یہ ہے کہ اگر فی الواقعہ تمہارے پاس کوئی ایسا نظام موجود ہے تو اُسے نافذ کیوں نہیں کیا جاتا؟ آپ جب مساواتِ اسلامی کا ذکر فرماتے ہیں تو وہ عوام سے کہتے ہیں کہ ذرا اپنے وزیراعظم صاحب سے پوچھئے کہ کیا وہ مساوات یہی ہے کہ جو آپ میں اور ہم میں ہے کہ جہاں کوئی چیز بھی مساوی نہیں! کہئیے کہ عوام آپ کی مانیں گے یا فریقِ مقابل کی! سوچئے کہ اثر اس کی بات کا ہوگا یا آپکے بصیرت افروز حقائق کا! آپ انہیں الزام دیتے ہیں کہ یہ مذہب کے نام کو اپنے مقاصد کے بروئے کار لانے میں استعمال کرتے ہیں اور وہ یہ شروع سے کہتے آ رہے ہیں کہ مذہب ایک افیون ہے جو ان سرمایہ داروں اور وجاہت پرستوں نے اس لئے وضع کر رکھی ہے کہ جب عوام اپنی خستہ حالی سے تنگ آ کر انقلاب کیلئے اٹھیں تو انہیں اس افیون سے پھر سے سلا دیا جائے۔ وہ عوام سے یہ کہتے ہیں کہ تمہارے لیڈروں کے پاس نہ کوئی معاشی نظام ہے اور نہ یہ کسی ایسے نظام کو نافذ کرنا چاہتے ہیں جس میں ان کا تفوق چھن جائے۔ یہ تمہیں قرآن۔ خدا۔ اسلام کے نام سے دھوکا دیتے ہیں۔ اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو اس کا عملی ثبوت کیوں نہیں پیش کرتے! کہئیے کہ عوام کے جی کو یہ باتیں لگیں گی یا آپ کے مواعظِ حسنہ!

ہم اپنے ان اربابِ بست و کشاد سے ایک مرتبہ پھر گزارش کرینگے کہ اگر جیسا کہ وہ خود بتا رہے ہیں ان لوگوں کی طرف سے خطرہ ایک واقعی خطرہ ہے اور ایسا خطرہ کہ جو مملکت پاکستان کے لئے سخت نقصان کا باعث ہو سکتا ہے تو اس خطرہ کا ازالہ اس قسم کے وعظوں سے نہیں ہو سکیگا۔ عوام کی مشکلات عملی ہیں! ان کا حل بھی عملی طور پر ہی ہو سکیگا۔ بھوک کا علاج روٹی کے سوا کچھ نہیں۔ عوام آپ کی... مذہب کے نام پر اپیلوں سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے اور یہ عین فطری چیز ہے۔ وہ اپنے مصائب کا حل چاہتے ہیں۔ اگر آپ اس کا حل پیش نہیں کر سکیں گے

تو جو شخص بھی انہیں ان کا حل بتلائے گا وہ اسکی طرف چلے جائینگے۔ اس لئے ہم باادب گزارش کریں گے کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے پیش کر غافل اگر کوئی عمل دفتر میں ہے

جس قرآنی نظامِ معیشت اور اسلامی مساوات کا آپ ذکر فرماتے ہیں اسے قوم کے سامنے لائیے اور عملاً نافذ کیجئے۔ یہی ان خطرات کا حل ہے اسکے سوا کچھ نہیں۔"

اس کے بعد طلوعِ اسلام ان حضرات کا منہ نہیں دیکھتا رہا کہ وہ بتائیں کہ اسلام کا وہ معاشی نظام کونسا ہے جس میں ان تمام مشکلات کا حل موجود ہے۔ اس نے شرح و بسط سے بتایا کہ وہ نظام کونسا ہے۔ اس کی تفصیلات کیا ہیں اور وہ کس طرح دنیا کے ہر معاشی نظام (حتیٰ کہ سوشلزم اور کمیونزم) سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ میری مستقل تصنیف — نظامِ ربوبیت — کے علاوہ طلوعِ اسلام میں اس موضوع پر اس قدر کثرت سے لکھا گیا ہے کہ اسے یکجا کر دیا جائے تو اس سے کئی ایک مجلدات مرتب ہو جائیں۔ ملخصاً طلوعِ اسلام نے فروری ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں لکھا۔

> ہم اس مقام پر دہرا دیں کہ قرآنی نظامِ ربوبیت کے مطابق تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کی ذمہ داری حکومت کے سر پر عاید ہوتی ہے۔ اس اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کیلئے حکومت ذرائع پیداوار کو اپنی تحویل میں رکھتی ہے۔ ان پر ملکیت نہ افراد کی ہوتی ہے نہ مملکت کی۔ ذرائع پیداوار میں صرف زمین ہی شامل نہیں، دورِ حاضر میں کارخانے بھی یہی حیثیت رکھتے ہیں۔ ۔۔۔ اس لئے کہ جو خرابیاں زمین سے حاصل شدہ لامحدود دولت سے پیدا ہوتی ہیں اسی قسم کی خرابیاں کارخانوں سے حاصل کردہ لامحدود دولت سے بھی رونما ہوتی ہیں۔ قرآن ان خرابیوں کا علاج یہ بتاتا ہے کہ فاضلہ دولت (یعنی ضرورت سے زاید دولت) کسی کے پاس بھی نہ رہنے دی جائے۔ اسے قوانینِ خداوندی کے مطابق نوعِ انسان کی منفعت کے لئے عام کر دیا جائے۔

اسکے بعد ہم نے اربابِ حکومت سے کہا تھا کہ اگر یہ نظام رائج نہ کیا گیا تو یہاں سوشلزم یا کمیونزم جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائیگی۔ اس سے نہ صرف یہی ہو گا کہ گھیراؤ، پتھراؤ، جلاؤ سے ملک کا امن تباہ ہو جائے گا بلکہ سیکولرازم کی وبا بھی عام ہو جائے گی جس کا عملی نتیجہ یہ ہو گا کہ ہماری نئی نسل ان نظریاتی بنیادوں ہی سے سرکشی اختیار کر لیگی جن پر مملکتِ پاکستان کی عمارت استوار ہوئی ہے اور جب اسکی نظریاتی سرحدیں ہی قائم نہیں رہینگی تو اس کے ایک الگ، جداگانہ، آزاد مملکت رہنے کا جواز ہی ختم ہو جائیگا۔ ہم ہر حکومت کو اس خطرہ سے آگاہ کرتے رہے اور بار بار آگاہ کرتے رہے لیکن انکی مفاد پرستیوں نے اسے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ اور اس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔

عوام کی حکمرانی

ملک میں ہر پارٹی شور مچا رہی تھی کہ — سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ — اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنے نام تک عوامی لیگ، نیشنل عوامی پارٹی، پیپلز پارٹی وغیرہ رکھ لئے تھے۔ طلوعِ اسلام نے اپنی اکتوبر ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں لکھا کہ اگر آپ لوگ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ آپ عوام کا اقتدار چاہتے ہیں تو اس کا عملی ثبوت بھی دیجئے۔ اور وہ اس طرح کہ آئندہ انتخابات میں انتخابی حلقے اور مجالس آئین و قوانین ساز میں نشستیں آمدنی کے لحاظ سے متعین کیجئے۔ مثلاً سو روپے ماہوار آمدنی والے افراد پر مشتمل ایک حلقہ اور ان کی آبادی کے لحاظ سے ان کی نشستیں۔ اس کے بعد یہ شرط کہ اس حلقہ سے امیدوار بھی وہی کھڑے ہو سکتے ہیں جن کی آمدنی سو روپیہ ماہوار ہو اور انہیں ووٹ بھی وہی لوگ دے سکتے ہیں۔ اس شکل کو آگے بڑھاتے جائیے۔ اس سے آپ دیکھیں کہ مجالس آئین و قوانین ساز میں اکثریت غریبوں کی ہو جائے گی اور سرمایہ داروں کے حصے میں ایک آدھ نشست بھی بمشکل آ سکیگی۔ اس سکیم کی تعریف تو ہر ایک کی طرف سے ہوئی لیکن اسے اختیار کسی پارٹی نے بھی نہ کیا — اس کے باوجود وہ پارٹیاں اپنے آپ کو کہلاتی عوامی ہی تھیں۔

بیرونی حکومتوں کے ایجنٹ

مارچ ۱۹۴۸ء کے شمارے میں طلوعِ اسلام نے حکومت کی توجہ اس امر کی طرف منعطف کرائی کہ حکومت کی مشینری میں کچھ ایسے عناصر گھس آتے ہیں جو بد دلی پھیلاتے اور انتشار پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ اگر ان پاکستان دشمن عناصر کا فوری طور پر سدِباب نہ کیا گیا تو آگے چل کر یہ فتنہ ایسی شکل اختیار کر جائے گا جو معلوم کس قدر تباہی کا موجب بن جائے۔ اسی ماہ قائداعظمؒ نے ڈھاکہ کی ایک تقریر میں فرمایا:-

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے اندر وہ لوگ موجود ہیں جو بیرونی قوتوں سے مالی امداد حاصل کر کے پاکستان کے درپئے تخریب ہیں۔ میں آپ لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ان سے ہوشیار رہیں اور انکے دلکش نعروں اور جاذبِ توجہ وعظوں سے فریب میں نہ آجائیں۔ (روزنامہ ڈان۔ کراچی۔ مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۸ء)

اسی تاریخ کو کراچی میں وزیرِ خزانہ ملک غلام محمد (مرحوم) نے ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا۔

مجھے یقین ہے کہ ملازمین کا طبقہ دل کا کھرا ہے لیکن ان پر ایک ایسا طبقہ اثر انداز ہو رہا ہے جو ہماری معاشرتی زندگی کا دشمن اور بیرونِ پاکستان قوتوں کا آلۂ کار ہے۔ حکومت کو بعض ایسی جماعتوں کی سرگرمیوں کا علم ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ وہ سرکاری ملازمین کو حکومت کے لئے مشکلات پیدا کرنے کیلئے "اکسائیں"۔ ان میں سے بعض جماعتیں معاشرتی نظام کے دشمن اور تشدد آمیز انقلاب کے حامی ہیں...... ان میں سے بعض کے متعلق ہمیں حتمی طور پر معلوم ہے کہ وہ باہر سے ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ کوئی حکومت بھی ایسے عناصر کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ہمارے ملازمینِ حکومت کو محتاط رہنا چاہیئے کہ وہ اس قسم کے لوگوں کے دامِ فریب کا شکار نہ ہو جائیں۔ (ڈان۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۸ء)

ازاں بعد وزیرِ اعظم نوابزادہ لیاقت علیخان (مرحوم) نے ۱۳ اپریل کو اپنے ایک بیان میں کہا۔

بعض سازشی گروہ (ففتھ کالم) ملازمینِ حکومت کی مشکلات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے مقاصد برآری میں استعمال کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اپنے مشئوم عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکا کیونکہ ملازمین کے دل میں کھوٹ نہیں۔ وہ انتہائی کوشش کر رہے ہیں کہ ملازمین میں انتشار اور سرکشی پیدا کر کے نظامِ حکومت کو معلوم کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ ملازمینِ حکومت کی غالب اکثریت ان لوگوں کی فتنہ سامانیوں سے آگاہ ہے۔ (روزنامہ ڈان۔ ۱۳ اپریل)

ان بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم نے مئی ۱۹۴۸ء کے لمعات میں لکھا کہ

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے اربابِ حکومت کی یہ تشخیص بالکل درست ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اپریل کی اشاعت میں بصراحت لکھا تھا، دشمنانِ پاکستان کی فتنہ انگیزیوں کا علاج فقط اس قدر نہیں کہ عوام یا ملازمین سے کہہ دیا جائے کہ ان کی چالوں میں نہ آئیں...... اگر دشمنانِ ملک و ملت سرکاری ملازمین کو گمراہ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کی سازشوں کا جال کہیں زیادہ وسیع ہوگا۔ ہمیں خوشی ہے کہ حکومت اس قدر ہوشیار ہے کہ اسے ایسی دشمنِ پاکستان جماعتوں کا علم ہے لیکن ہم جاننا چاہتے ہیں کہ اس نے مدافعت کی کیا صورت اختیار کی ہے۔

لیکن حکومت نے نہ کچھ قوم کو بتانا تھا نہ بتایا۔ بایں ہمہ ہر حکومت اس دعویٰ کو بار بار دہراتی رہی کہ ملک میں پاکستان دشمن عناصر موجود ہیں۔ یہاں کی بعض سیاسی پارٹیوں کو پاکستان دشمن بیرونی حکومتوں کی طرف سے امداد ملتی ہے۔ حتیٰ کہ مسٹر اے۔ بی۔ اعوان نے جو پہلے حکومتِ پاکستان کے انٹیلیجنس بیورو کے ڈائرکٹر جنرل تھے اور اس کے بعد وزارتِ داخلہ کے سیکرٹری، اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد یہ انکشاف کیا کہ یہ بات انکے علم میں ہے کہ ملک کی بعض سیاسی پارٹیوں کو بیرونی ملکوں سے امداد ملتی رہی ہے۔ اس دعوے کو

میجر جنرل امراؤ خان نے بھی (اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد) دہرایا۔ طلوعِ اسلام نے اپنی جولائی ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں اس نہایت اہم اور نازک مسئلہ کا بھرپور جائزہ لیا اور حکومت سے پُر زور الفاظ میں کہا کہ وہ خدا کے لئے اس غریب قوم کی حالت پر رحم کھائے اور اسے بتائے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور کون کونسے پاکستان دشمن عناصر مملکت کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ لیکن حکومت نے اسے بھی اَن سنی کر دیا اور اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ہر شخص خود اپنے سائے سے بھی ڈرتا ہے کہ معلوم یہ کونسے دشمن ملک کا ایجنٹ ہو۔

(٭)

ہندو ذہنیت

یہ ملک کی اندرونی حالت ہے۔ جہاں تک خارجی خطرات کا تعلق ہے ہم نے پہلے دن سے یہ آواز بلند کرنی شروع کر دی تھی کہ ہندو نے اگرچہ آئینی طور پر تقسیمِ ہند کو گوارا کر لیا ہے لیکن اس نے دل سے اسے تسلیم نہیں کیا اسلئے وہ اسے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کریگا۔ ہمیں اس کی طرف سے کسی غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیئے۔ جون ۱۹۴۸ء کا ذکر ہے کہ ہندوؤں نے سومنات کی جامع مسجد کو، جسے ۱۰۲۶ء میں محمود غزنوی نے تعمیر کرایا تھا، زبردستی مندر میں تبدیل کر دیا تو طلوعِ اسلام نے جولائی ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں اس کا تعاقب کیا اور حکومت کو متنبہ کیا کہ اگر ہم نے اپنی مدافعت کا پورا پورا انتظام نہ کیا تو ہندوستان تو ایک طرف ایک دن (خاکم بدہن) خود پاکستان بھی اسی طرح بتکدہ بن جائیگا جس طرح سومنات کی مسجد بت خانہ بنا دی گئی ہے۔ یہ اس لئے کہ ہندوستان اسے کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ اسکے پہلو میں ایک اسلامی مملکت قائم ہو جائے۔ ہمارے اس خدشہ کی شہادت چار ہی ماہ بعد یوں مل گئی کہ قائدِ اعظم کی وفات کے بعد (دہلی کے روزنامہ) ہندوستان ٹائمز نے اپنی ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت کے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا کہ

> پاکستان، بالخصوص مشرقی بنگال کی اقلیتوں کو اتنا خوف دہراس اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا جتنا اس حقیقت سے کہ پاکستان کے لیڈروں نے متعدد بار اسکا اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی اصول و روایات کے مطابق ایک اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اور اس کے بعد لکھا کہ:-

> اگر کشمیر کا مناقشہ پُر امن طریق سے طے ہو جائے اور پاکستان اسلامی اسٹیٹ کے خیال کو ترک کرے اور اپنے سامنے ایک جمہوری ریاست کی تشکیل کا نصب العین رکھے تو اس سے پاکستان اور ہندوستان اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو جائیگا۔ (۱۹ اکتوبر ۴۸ء)

ازاں بعد جب لندن میں محترم لیاقت علیخان نے ایک اجتماع میں کہا کہ

> پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہے اور ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ ان اصولوں پر قائم کی جائیگی جو ہمیں اسلام نے سکھائے ہیں۔ (ہندوستان ٹائمز ۲۵ اکتوبر ۴۸ء)

تو اس پر اس اخبار نے پھر اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا کہ:-

> تقسیمِ ہند کے وقت سے ہندوستان کے نیتاؤں نے اس امر کا اعلان کر رکھا ہے کہ ہندوستان میں لادینی (SECULAR) مملکت ہوگی لیکن سرحد کے اس پار کے لیڈر پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ پاکستان اسلامی اسٹیٹ ہوگا۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں ہندوستان کی سیاسی جماعتوں اور ارکانِ حکومت کی تمام کوششیں اس امر میں صرف ہو رہی ہیں کہ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو یقین دلائیں کہ وہ یہاں بالکل محفوظ ہیں، پاکستان کی اقلیتوں کو یہ محسوس کرایا جا رہا ہے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کیلئے کوئی جگہ نہیں اور ان کی املاک کو قانوناً ضبط کیا جا سکتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں مسٹر لیاقت علیخان نے کہا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہے۔ (۲۸ اکتوبر ۴۸ء)

اس پر ہم نے اپنی نومبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں لکھا کہ جب ہندوؤں کے نزدیک پاکستان کے خلاف وجہِ نزاع وہ بنیاد ہے جس پر مملکتِ پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے تو ان کے ساتھ کسی قسم کے سیاسی سمجھوتے کے بعد ان کی طرف سے مطمئن ہو جانا خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔ ہمیں ہر وقت ان کے ساتھ ٹکراؤ کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ لیکن ان کے ساتھ ٹکراؤ کے لئے تیار رہنا تو ایک طرف، ہم انکے ساتھ دوستانہ مراسم قائم اور

ثقافتی روابط مستحکم کرنے کے اقدامات کرتے رہے جب ۱۹۵۲ء میں پاکستان کی طرف سے ہندوؤں کی کرکٹ ٹیم کو دعوت بھیجی گئی تو ہم سے نہ رہا گیا اور ہم نے اپنی ستمبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں کھلے الفاظ میں لکھا کہ ہمیں کچھ تو غیرت اور حمیت سے کام لینا چاہیئے۔ ہندو ہماری ہستی تک مٹا دینے کے درپے ہے اور ہم اس سے دوستانہ روابط قائم کرنے کے متمنی ہیں۔ ہمیں کچھ تو شرم کرنی چاہیئے لیکن دیکھا یہ گیا کہ علامہ اقبال نے (غلام قادر روہیلہ کی زبان سے) جو کہا تھا کہ — حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے — وہ درحقیقت ہر اس قوم کے متعلق کہا گیا تھا جس میں عزتِ نفس کا احساس باقی نہ رہا ہو

(-)

خارجہ پالیسی

جہاں تک پاکستان کی خارجہ پالیسی کا تعلق ہے طلوعِ اسلام نے کس طرح (اپنی بصیرت کے مطابق) ایک ایک قدم پر حکومت کو خطراتِ راہ سے آگاہ کیا، یہ ایک جداگانہ مستقل موضوع ہے اور فرصت کا متقاضی۔ اس مقام پر ایک آدھ مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد امریکہ اور روس دو ایسی بڑی قوتیں تھیں جنہیں باہمی تصادم کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ دونوں کی خواہش تھی کہ مسلمان مملکتیں ان کی غلام گردش میں آجائیں اور اس طرح ان کی تقویت کا باعث بنیں۔ روس کھلے بندوں خدا اور مذہب کا منکر تھا۔ امریکہ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور یہ نعرہ بلند کیا کہ — دنیا کے خدا پرستو! اٹھو اور الحاد و بے دینی کے خلاف متحد ہو جاؤ۔ طلوعِ اسلام نے اس نعرہ کی حقیقت کو بھانپ لیتے ہوئے پہلے مئی ۱۹۵۲ء اور پھر مارچ ۱۹۵۳ء میں لکھا کہ

> امریکی بلاک کی طرف سے یہ دعوتِ محاذِ متحدہ خدا کے نام کی حفاظت کیلئے نہیں بلکہ اپنی حفاظت کیلئے ابلیسی سیاست کا نقاب پوش حربہ ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ مشرقی ممالک میں بالعموم اور مسلمانوں میں بالخصوص یہ حربہ بڑا کارگر ثابت ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس میں مُلّا بھی انگریز پرست اور ٹوڈی کہلا کر بدنام نہیں ہوتا بلکہ وہ "دعوت الی اللہ" کا نقیب بنکر سامنے آتا ہے اور اس طرح اس کی "دین اور دنیا" دونوں سنور جاتے ہیں — دنیا میں بھی حور و قصور اور آخرت میں بھی حور و قصور۔ سچ ہے ؎
>
> فرنگ آئینِ رزاقی بداند ۔ بایں بخشد از دو وا می ستاند
>
> بہ شیطاں آنچناں روزی رساند ۔ کہ یزداں اندراں حیراں بماند

دوسری طرف ہم نے روس کے متعلق کہا کہ وہ مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے اور اس کا غریبوں کی پرورش اور محنت کشوں سے ہمدردی کا نعرہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا (ہم نے کہا)

> مسلمان اقوامِ عالم کے لئے سیدھی راہ یہ ہے کہ وہ نہ امریکن بلاک کی تقویت کا باعث بنیں اور نہ روس کی طاقت کا موجب۔ انکے نزدیک سنگِ زرد برادرِ شغال۔ دونوں یکساں ہیں۔ امریکہ کی خدا پرستی کا دعویٰ قرآن کی رو سے قطعاً خدا پرستی نہیں اور روس کا یہ دعویٰ کہ وہ مزدوروں اور غریبوں کی مدد کے لئے اٹھا ہے آیۂ حق کی آواز ہے جو باطل کی تائید کے لئے بطور دلیل استعمال کی جا رہی ہے (کلمۃ حق ارید بہ الباطل) مسلمانوں کیلئے صحیح راہِ عمل صرف ایک ہے کہ وہ خود ایک امتِ واحدہ بن کر قرآن کا نظامِ ربوبیت اپنے ہاں رائج کریں اور پھر دیکھیں کہ کس طرح روس اور امریکہ دونوں انکے سنگِ آستاں پر سجدہ ریز نہیں ہوتے!
>
> افرنگ زخود بے خبرت کرد، دگرنہ ۔ اے بندۂ مومن! تو بشیری، تو نذیری!

جماعتِ اسلامی اور امریکہ

جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے مُلّا کے لئے امریکہ کی دعوت میں بڑی کشش تھی چنانچہ اس نے اس پر جھٹ سے لبیک کہا۔ چنانچہ امیر جماعتِ اسلامی (سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب) نے دسمبر ۱۹۵۴ء میں پہلے کراچی میں اور پھر لاہور میں اپنی تقاریر میں اینگلو امریکن بلاک سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

> اگر یہ بلاک فی الواقع یہ چاہتا ہے کہ کمیونزم کی روک تھام کے لئے اسے مسلم عوام کا دلی تعاون حاصل ہو تو اسے اپنی بنیادی پالیسی

میں بنیادی تغیر کرنا پڑیگا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا پڑیگا کہ اسے مسلم ممالک کے حکمرانوں سے ساز باز کرنا ہے یا مسلم ممالک کے عوام کا تعاون حاصل کرنا۔ اسکے سوچنے کا کام ہے کہ اسے کونسی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ (جماعت اسلامی کا اخبار تسنیم بابت ۱۹ اور ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ء)

طلوع اسلام نے قوم اور حکومت کو اس خطرہ سے آگاہ کیا جو مودودی صاحب کی اس پیشکش میں مضمر تھے لیکن حکومت نے اسکا بھی کوئی نوٹس نہ لیا۔ اور امریکی تسلط پاکستان میں عام ہوتا چلا گیا۔

---(۰)---

پس چہ باید کرد

برادران عزیز! ہم نے بات یہاں سے شروع کی تھی کہ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ خدا کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا تاوقتیکہ اسے پہلے بتا نہ دیا جائے کہ سلامتی کی راہ کونسی ہے اور تباہی کی طرف کونسا راستہ لیجاتا ہے۔ قوموں کیلئے یہ خدائی وارننگ قرآن مجید میں محفوظ ہے اور چونکہ طلوع اسلام کا نصب العین قرآنی افکار و تصورات کی نشر و اشاعت ہے اسلئے اس وارننگ کو قوم تک پہنچانے کا فریضہ اس نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ میں نے اس نشست میں جو کچھ آپ حضرات کے سامنے پیش کیا ہے وہ اس فریضہ کی ادائیگی کی نہایت مختصر اور مجمل سی داستان ہے۔ مختصر اور مجمل سی اس لئے کہ تفصیلی طور پر یہ داستان طلوع اسلام کے قریب بیس ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے۔

کہا جائیگا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ماضی کی داستان ہے حالانکہ ضرورت اسکی تھی کہ ہم اپنے حال کے متعلق گفتگو کرتے اور مستقبل کے متعلق کچھ سوچتے۔ لیکن اگر ذرا بنظر تعمق دیکھا جائیگا تو حقیقت سامنے آجائیگی کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ قصہ پارینہ نہیں۔ اسکا تعلق ماضی، حال اور مستقبل تینوں سے ہے۔ یعنی یہ ہے کہ ہم نے ماضی میں فطرت کے چند غیر متبدل اصولوں کی خلاف ورزی کی جس کا نتیجہ حال کی تباہی میں ہمارے سامنے آیا لیکن یہ تباہی ایسی نہیں جس سے ہماری باز آفرینی کا امکان ختم ہو گیا ہو اور ہم حیاتِ نو سے ابدی طور پر محروم کر دیئے گئے ہوں۔ یہی وہ نکتہ ہے جسکی میں اب وضاحت پیش کرنا چاہتا ہوں۔

بنی اسرائیل کے مماثل

ہماری داستان قصہ بنی اسرائیل کے مماثل ہے۔ ہمیں بھی انکی طرح بیٹھے بٹھائے ایک مملکت مل گئی جس کی انہی کی طرح ہم نے بھی قدر نہ کی۔ انہوں نے قوانین خداوندی سے سرکشی برتی تو ان پر تباہی آئی۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ انکی یہ پہلی تباہی تھی جس سے ان کی ابدی ہلاکت نہیں ہوئی تھی بلکہ انہیں باز آفرینی کا موقعہ دیا گیا۔ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ ..... (۱۷/۵) جب پہلی تباہی آئی تو (اے بنی اسرائیل) ہم نے تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دیا جو بڑے سخت گیر تھے۔ تم نے اس وارننگ سے عبرت پکڑی اور اپنی خطا کاریوں کا ازالہ کر لیا۔ اس سے تمہیں پھر عروج حاصل ہو گیا (۱۷/۶)۔ اسکے بعد تم نے پھر وہی سرکشی کی روش اختیار کر لی تو تم پر دوبارہ تباہی مسلط ہو گئی اور یہ تباہی ایسی تھی جس کے بعد تم پنپ نہ سکے۔

اپنی لغزشوں کا اعتراف

سو عزیزانِ من! ہم پر جو تباہی آئی ہے تو یہ فطرت کی طرف سے وارننگ ہے۔ اگر ہم سنبھل گئے تو ہمیں حیاتِ تازہ عطا ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم میں قصہ آدم کے تمثیلی بیان میں کہا گیا ہے کہ لغزش آدم سے بھی ہوئی اور ابلیس سے بھی۔ جب آدم کو اسکا احساس ہوا تو اس نے ندامت سے سر جھکا لیا اور اعتراف کیا کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۷/۲۳) اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہم نے واقعی اپنے آپ پر بڑی زیادتی کی ہے۔ ہم اسکا اعتراف کرتے ہیں۔ اگر ہمیں تیری طرف سے سامانِ حفاظت و پرورش نہ ملا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ جواب ملا کہ چونکہ تم نے اپنی لغزش کا اعتراف کر کے اس کی ذمہ داری قبول کر لی ہے اس لئے تمہارے سامنے باز آفرینی کے دروازے کھلے ہیں۔ اگر تم نے ہمارے قوانین کی اطاعت کی تو تم خوف اور حزن سے مامون ہو جاؤ گے۔ اس کے برعکس جب ابلیس سے کہا گیا کہ تم نے سرکشی کیوں اختیار کی تو اس نے کہا کہ میں اپنی غلطی کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ میں تو مجبور محض تھا تو اس سے کہا گیا کہ تیری اصلاح کا کوئی امکان نہیں۔ تیرے لئے ابدی مایوسی ہے۔ (ابلیس کے معنی ہی مایوسی کے ہیں)

لہٰذا عزیزانِ گرامی قدر! سوال سارا یہ ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ اگر

ہم نے ایسا کر لیا تو ہمارے لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ تخریبی قوتیں ملک میں مایوسی پھیلا رہی ہیں۔ ابلیس کا یہ سب سے بڑا مؤثر حربہ ہوتا ہے اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ (۳/۱۷۴) یہ جن قوتوں کے ایجنٹ ہیں ان کے متعلق مشہور کئے رہتے ہیں کہ وہ بڑی مہیب قوتوں کی مالک ہیں اس لئے تم ان سے ڈرتے رہو۔ لیکن خدا کا ارشاد ہے کہ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۳/۱۷۴) تم ان سے بالکل نہ ڈرو۔ تم قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے ڈرو۔ تمہیں ان قوتوں کے ہاتھوں شکست نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے شکست ہوئی ہے کہ تم نے قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس آیت کے آخر میں جو کہا گیا ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ تو یہ نکتہ بڑا اہم ہے۔ اس میں کہا یہ گیا ہے کہ اگر تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ

نظریہ کی صداقت پر یقین

تمہارا نظریۂ حیات (کہ جسے نظریۂ پاکستان بھی کہا جاتا ہے) حق و صداقت پر مبنی تھا اور تمہیں شکست اس لئے ہوئی ہے کہ تم نے اس حقیقت کا زبانی اعتراف کرنے کے باوجود عملاً اس سے انحراف برتا۔ تو تمہیں ڈرنا اس بات سے چاہیئے کہ تم سے دوبارہ اس نظریہ کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست نہیں دے سکیگی۔ اور اگر تم نے پھر ایسا ہی کیا تو اس کا فطری نتیجہ تمہاری شکست اور ذلت آمیز شکست ہوگا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے یہ نکتہ بڑے گہرے غور و تدبر کا متقاضی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد مسز اندرا گاندھی نے کیا اعلان کیا تھا۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا یہ تھا کہ یہ کامیابی نہ ہماری فوجوں کی کامیابی ہے نہ ہماری حکومت کی کامیابی ہے۔ یہ کامیابی ہے حق پر مبنی نظریہ کی، اس نظریہ کے خلاف جو باطل پر مبنی تھا۔ مسلمانوں نے تحریکِ پاکستان کی بنیاد ایک باطل نظریہ پر رکھی۔ ہم انہیں بار بار سمجھاتے رہے کہ ان کا نظریہ غلط ہے۔ یہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے نہ مانا اور اپنی ضد پر قائم رہے۔ اب چوبیس سال کے تجربے نے بتا دیا کہ جو کچھ ہم کہتے تھے وہ حق تھا اور ان کا نظریہ باطل ـــ یہ انکے باطل نظریہ کی شکست ہے۔

یہ تھا وہ اعلان جو مسز اندرا گاندھی' اور اس کی ہمنوائی میں (نام نہاد) بنگلہ دیش کے نیتاؤں نے کیا۔ اور اب اسی خیال کو پاکستان میں عام کیا جا رہا ہے۔ ہر جگہ یہ کہا جا رہا ہے کہ نظریۂ پاکستان غلط تھا۔ اس لئے تاریخ نے اس کی ناکامی پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اس مقام پر قرآن کہتا ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ تمہارا نظریہ درست تھا اور تمہاری شکست کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اسے اپنے ہاں عملاً رائج نہ کیا تو پھر تمہارے لئے مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ لیکن اگر تم نے ان کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر اپنے نظریہ کی صحت و صداقت پر شک کرنے لگ گئے تو پھر تمہاری بازآفرینی کا کوئی امکان نہیں۔ پھر تم ڈھاکہ کے کارزار ہی میں نہیں، زندگی کے ہر میدان میں شکست کھا گئے۔ اگر عزیزانِ من! ان تخریب کار سودا انگیزوں کی اس دلیل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ ہماری حالیہ شکست نظریۂ پاکستان کی ناکامی کا ثبوت ہے تو اس دلیل کو ذرا آگے بڑھا کر اسے بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا کے مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی خود اسلام کی ناکامی کا ثبوت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو صرف نظریۂ پاکستان ہی سے برگشتہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر آپ کو خود اسلام سے منحرف کرانا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ان کی دلیل بالکل بودی ہے۔ اگر آپ کسی ڈاکٹر سے نسخہ لیں اور اس نسخہ کو اپنے میز کے دراز میں رکھ چھوڑیں تو ظاہر ہے کہ اس سے آپکا مرض بڑھتا جائیگا۔ لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں ہو جائے گا کہ وہ نسخہ غلط تھا اور وہ طبیب اناڑی۔ یہ اس وقت ثابت ہوگا جب آپ اس نسخہ کا استعمال کریں اور اسکے باوجود آپ کو شفا نہ ہو۔ میں نے اپنے اس خطاب میں جو کچھ کہا ہے اس سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ ہم نے نظریۂ پاکستان کے نسخہ کا تعویذ بنا کر اسے گلے میں لٹکائے رکھا اور علاج کچھ اور کرتے رہے۔ اب اگر اس علاج سے مرض بڑھ گیا ہے تو اس میں اس نسخہ کا کیا قصور۔ یاد رکھیئے! نظریۂ پاکستان جو قرآنی نظریۂ زندگی ہی کا دوسرا نام ہے، ایک ابدی حقیقت اور ابدی صداقت ہے۔ اس لئے یہ کبھی ناکام نہیں رہ سکتا۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں' کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش، سرِّ کلیم و خلیل

اسکی زمین بے حدود، اس کا افق بے ثغور　　اسکے سمندر کی موج، دجلہ و دینوب و نیل
اسکے زمانے عجیب، اسکے فسانے عجیب　　عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل

اس نظریہ نے عہد کہن کو کس طرح پیام رحیل دیا، اس کی مثالیں سینکڑوں کی تعداد میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن میں اندرا گاندھی کے اس نخوت آمیز شذرہ کے حوالے سے ایک آدھ مثال پر اکتفا کروں گا۔ ویدوں کی رو سے جن پر مسز اندرا گاندھی کے دھرم کی عمارت استوار ہوتی ہے پیدائش کے اعتبار سے، انسان چار ورنوں (طبقات) میں تقسیم ہوجاتے ہیں ۔۔ برہمن، کھشتری، ویش، شودر ۔۔ اور یہ تقسیم و تفریق غیر متبدل ہے۔ نظریہ پاکستان نے اس تصور کو باطل قرار دیتے ہوئے کہا کہ تمام انسانی بچے پیدائش کی رو سے یکساں واجب التکریم ہیں اور معاشرہ میں انکے مدارج کا تعین جوہر ذاتی کی رو سے کیا جانا چاہیئے، نہ کہ پیدائش کی نسبت سے۔ بھارت قرنہا قرن سے ورنوں کی تقسیم کو ابدی صداقت سمجھتا چلا آرہا تھا لیکن اب اسے اپنے آئین میں یہ شق رکھنی پڑی کہ ورنوں کی تقسیم غلط ہے۔ بھارت میں بسنے والے تمام انسان یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں مسز اندرا گاندھی سے کہ تمہارے آئین کی یہ شق نظریہ پاکستان کی صداقت کی دلیل ہے یا اسکی ناکامی کا ثبوت!

اور سنیئے! بھارتی نظریہ کی رو سے وطن کا اشتراک یگانگت کا معیار ہے۔ اس کے برعکس، نظریہ پاکستان کی رو سے یگانگت کا معیار، نظریات، تصورات اور نصب العین کی ہم آہنگی ہے۔ مجیب الرحمن نے رہا ہونے کے بعد ڈھاکہ میں اپنی پہلی تقریر میں کہا کہ:-

مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ میری پالیسی اور مسز اندرا گاندھی کی پالیسی میں اس قدر توافق کیوں ہے۔ اسکا جواب صاف اور واضح ہے۔ ہم دونوں کے نصب العین، زاویہ نگاہ اور اقدار حیات ایک ہیں۔　(پاکستان ٹائمز ۱۱ جنوری)

میں پوچھنا چاہتا ہوں مجیب اور مسز گاندھی دونوں سے کہ مجیب کا یہ اعلان نظریہ پاکستان کی شکست کی دلیل ہے یا اسکی صداقت کا ثبوت!

اور اس کے بعد میں ایک سوال اپنے ان نوجوانوں سے بھی پوچھنا چاہتا ہوں جو اس دعوی کو باطل قرار دیتے ہیں کہ قومیت کا معیار نظریہ زندگی کا اشتراک ہے نہ کہ ہم وطنی۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ آپ اٹھتے بیٹھتے یہ کہتے ہیں کہ مارکسسٹ روس میں ہو یا برازیل میں، جرمنی میں ہو یا کینیڈا میں، بھارت میں ہو یا پاکستان میں، سب ایک سلسلہ کی کڑیاں اور ایک برادری کے افراد ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر دنیا بھر کے مارکسی، مارکس کے فلسفہ حیات کے اشتراک کی بنا پر ایک برادری کے افراد قرار پا سکتے ہیں تو دنیا بھر کے محمدی، محمد کے عطا فرمودہ فلسفہ حیات کی اشتراک کی رو سے ایک برادری کے افراد کیوں نہیں قرار پا سکتے! وہی اصول اگر مارکسسٹ اختیار کریں تو وہ مہذب، ماڈرن اور انقلابی ٹھہریں اور اگر اسی اصول کو نظریہ پاکستان کے حامی پیش کریں تو وہ جاہل، قدامت پرست اور رجعت پسند کہلائیں۔

ہم جو چپ بیٹھیں، سہرتی کہلائیں　　شیخ چپ بیٹھے، تو کل ٹھہرے!

اگر مارکس اور لینن کہے کہ ۔۔ دنیا کے محنت کشو! متحد ہو جاؤ ۔۔ تو اسے نعرۂ انقلاب قرار دیا جائے، اور اگر نظریہ اسلام کا داعی کہے کہ ۔۔ دنیا بھر کے انسان دوستو! ایک مرکز پر جمع ہو جاؤ، تو اسے (RE-ACTIONARY) کہہ کر بدنام کر دیا جائے۔

جب میں چلوں تو سایہ بھی میرا نہ ساتھ دے　　جب تم چلو زمین چلے، آسمان چلے

لیکن میں اپنے ان عزیز نوجوانوں کو مورد الزام نہیں قرار دیتا۔ میں اپنی قوم کو قصوروار ٹھہراتا ہوں جس نے نہ صرف یہ کہ نظریہ پاکستان کو یہاں رائج نہیں کیا، بلکہ اپنی نئی نسل کو بتایا ہی نہیں کہ اس نظریہ کا مفہوم کیا ہے۔ اور یہیں سے بات آگے چلتی ہے کہ اب ہمیں کرنا کیا چاہیئے؟

مایوسی کیوں؟

یہ وہ سوال ہے جس کا کہیں سے خاطر خواہ اور اطمینان بخش جواب نہ ملنے کی وجہ سے قوم پر مایوسی چھا رہی ہے لیکن یہ مایوسی اس لئے ہے کہ قوم اس سوال کے جواب کے لئے ان دروازوں پر دستک دے رہی ہے جن کے اندر کوئی جواب دینے والا نہیں۔ یہ اس کے دروازے کو نہیں کھٹکھٹاتی جس نے کہا تھا کہ اِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ ان سے

کہو کہ مجھے پکاریں۔ میں ان سے بہت قریب بھی ہوں اور اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲/۱۸۶)، اور جب بھی کوئی پوچھنے والا مجھ سے کچھ پوچھتا ہے تو میں اسکے سوال کا جواب دیتا ہوں۔ ہم نے جب اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اس سوال کا جواب کچھ مشکل نہیں۔ اس اٹل اصول کو یاد رکھو کہ ـــــ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (۱۳/۱۱) کسی قوم کی حالت میں تبدیلی نہیں آسکتی جب تک وہ قوم خود اپنی ذہنیت میں تبدیلی پیدا نہ کرے۔ جب تک اس کے اپنے اندر نفسیاتی تبدیلی پیدا نہ ہو جائے

لہٰذا اس مشکل ترین سوال کا ـــــ کہ ہمیں اب کرنا کیا چاہیئے ـــــ آسان ترین جواب یہ ہے کہ ہمیں قوم کی ذہنیت بدلنی چاہیئے اس کے قلب و دماغ میں تبدیلی پیدا کرنی چاہیئے۔ یہ تبدیلی اس کے سوا کیا ہے کہ انہیں نظریہ پاکستان کی صداقت محکمیت اور ابدیت پر ایسا یقین محکم ہو جائے کہ یہ انکے دل کی آواز اور ان کے دماغ کی سوچ بن جائے۔ لیکن اس کے لئے سب سے پہلے یہ متعین طور پر سمجھ لینا ضروری ہوگا کہ یہ نظریہ ہے کیا! اس نظریہ کی کیفیت یہ ہے کہ ـــــ سمٹے تو مرا دل ہے، پھیلے تو زمانہ ہے!

پھیلاؤ کیطرف جائیے تو پورے کا پورا اسلامی نظام اسکے اندر آجاتا ہے اور سمٹا کر دیکھئے تو یہ قائدِ اعظمؒ کے ان چار جملوں میں مرتکز ہو جاتا ہے جو انہوں نے ۱۹۴۸ء میں حیدر آباد (دکن) میں ارشاد فرمائے تھے۔ یعنی (یہ کہ)

> اسلامی حکومت میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام و اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے۔

اس اصول کا فطری نتیجہ دو قومی نظریہ ہے۔ یعنی جو لوگ اس اصول کی صداقت کو تسلیم کریں (جنہیں مسلمان کہا جاتا ہے) وہ ایک قوم کے افراد جو اس سے انکار کریں (یعنی غیر مسلم) وہ دوسری قوم کے ارکان۔ خواہ وہ ایک ہی وطن کے باشندے کیوں نہ ہوں۔ اور اسی سے یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں نسل، رنگ، خون، زبان، علاقائی نسبتوں کی رُو سے الگ الگ قومیت کا تصور نظریہ پاکستان کی تردید اور اسلام کی صداقت سے انکار ہے۔

یہ ہیں نظریہ پاکستان کے بنیادی خط و خال۔ انہیں افرادِ قوم کے دل و دماغ میں راسخ کرنے کا ذریعہ درسگاہوں کی تعلیم بھی ہے، اور مملکت کے تمام ذرائع ابلاغ ـــ ریڈیو۔ ٹیلیویژن۔ اخبارات۔ عام لٹریچر۔ تقاریر خطابات وغیرہ بھی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس قانون کا اعلان و نفاذ کہ اس نظریہ کیخلاف کسی قسم کا عملی اقدام یا اظہارِ خیال مملکتِ پاکستان کے خلاف بغاوت قرار دیا جائے گا۔ اگر حکومت نے اس مقصد کو اپنا فریضہ قرار دے لیا تو پاکستان نہ صرف یہ کہ محفوظ رہ سکے گا بلکہ اقوامِ عالم میں امتیازی مقام حاصل کر لیگا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو نہ کوئی اصلاحی اسکیم نتیجہ خیز ہو سکے گی نہ انقلابی اقدام ثمر بار۔ کہ قوم میں نفسیاتی تبدیلی پیدا کئے بغیر تبدیلی احوال کی توقع رکھنا اس اصولِ خداوندی کو جھٹلانا ہوگا جسے اوپر درج کیا گیا ہے۔

اپنے رفقاء سے خطاب

اس عمومی خطاب کے بعد میرا روئے سخن میرے ان رفقائے سفر کی طرف ہے جو تحریک طلوعِ اسلام سے وابستہ ہیں اور جنہیں خوش آمدید کہنے کے لئے میں اس وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

میرے آغازِ سفر کے رفیقو! آپکے کاروانِ فکر و بصیرت نے گزشتہ پچیس سال میں جو راستہ طے کیا ہے میں نے اسکے ایک ایک سنگِ میل کی نشاندہی کر دی ہے۔ آپنے ان سے دیکھ لیا ہوگا کہ آپ نے جو راستہ اختیار کیا تھا، واقعات نے اس کی صحت و صداقت کی شہادت بہم پہنچا دی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی آپکے سامنے آگئی ہوگی کہ ملک میں آپ کی تحریک کے سوا کوئی اور تحریک، پارٹی یا جماعت ایسی نہیں جو

اس استقلال و استقامت اور اس ثبات و التزام سے ایک ہی راستہ پر گامزن چلی آرہی ہو قرآن کریم نے جو کہا تھا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اپنے اس دعویٰ پر جم کر کھڑے ہو گئے۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (۳۰) ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے تو غور کیجئے کہ اس شرط پر ملک کی کوئی اور تحریک بھی پوری اترتی ہے؟ میں آپ کے اس مسلک پر آپکو مستحق ہزار تبریک و تہنیت قرار دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپکے ارادوں میں استحکام اور آپ کے قدموں میں مزید ثبات عطا فرمائے۔

اب رہا یہ کہ ہمیں کرنا کیا چاہیئے۔ تو اس باب میں دو بنیادی امور کو پیش نظر رکھیے۔ پہلا یہ کہ اس خطۂ زمین کی حفاظت سب سے مقدم ہے اگرچہ اس کی اہمیت اس سے پہلے بھی کچھ کم نہیں تھی لیکن بحالاتِ موجودہ یہ انتہائی شدت اختیار کر گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ بیرونی خطرات سے ملک کی حفاظت کا فریضہ حکومت ہی سر انجام دے سکتی ہے۔ اس بنا پر ہمارا شروع سے یہ مسلک رہا ہے کہ ملک میں جو حکومت بھی آئینی طور پر قائم ہو اس فریضہ کی ادائیگی میں اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا جائے۔ یہی مسلک ہمارا آج بھی ہے۔ غلطیاں ہر حکومت سے ہوتی ہیں اور جیسا کہ طلوع اسلام کی پچیس سالہ تاریخ سے ظاہر ہے اور جس کی ایک جھلک آپ میرے اس خطاب میں دیکھ چکے ہیں، ہم نے ہر حکومت کے غلط اقدام پر اسے ٹوکا اور سختی سے ٹوکا ہے۔ اسی طرح غلطیاں موجودہ حکومت سے بھی ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں لیکن میں اپنی بصیرت کے مطابق کم از کم اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ صدر بھٹو کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ (یحییٰ اور مجیب کی طرح) اس ملک کو بیچ ڈالے گا۔ اس وقت ملک کی حفاظت کے لئے از بس ضروری ہے کہ یہاں کی حکومت مستحکم ہو۔ بنا بریں جو لوگ ملک میں انتشار اور فساد برپا کرتے ہیں وہ بیرونی خطرات کے لئے راستہ ہموار کرتے ہیں اس لئے ان کا ساتھ ہرگز ہرگز نہ دیجئے خواہ وہ کتنے ہی بہی خواہ اور مصلح ہونے کا دعویٰ کیوں نہ کریں۔ فساد پھیلانے والے کبھی ملک کے بہی خواہ نہیں ہو سکتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ۔ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد مت برپا کرو تو یہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم فساد کب پھیلاتے ہیں؟ ہم تو اصلاح چاہتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (۲/۱۲) یہی لوگ جو مصلح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں درحقیقت مفسد یہی ہیں۔ ان سے محتاط رہو۔ اس ضمن میں اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کرو کہ جن لوگوں نے مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کی تھی، انہوں نے آج تک پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ اپنی شکست پندار کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (۳/۱۲۰) اگر تمہاری حالت اچھی ہوتی ہے تو اس سے انہیں بڑا دکھ پہنچتا ہے اور اگر تم پر کوئی افتاد پڑتی ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں ارباب حکومت کی خدمت میں بھی گزارش کرونگا کہ جو ذمہ داری انہوں نے لی ہے اس کی نزاکت کا پورا پورا احساس کریں۔ سابقہ حکومتوں کی غلطیوں نے اپنے نتائج مرتب کرنے میں بیس پچیس سال لے لئے تھے لیکن اب حالات اس قدر نازک ہو چکے ہیں کہ آپکی اس قسم کی غلطیاں آپ کو پچیس دن کی مہلت بھی نہیں دینگی۔ لہٰذا آپ کاروبار مملکت کو بازیچۂ اطفال نہ سمجھیں۔ پلصراط پر سے گزرنا سمجھیں کہ اس پر اگر آپکے قدموں میں ذرا سی لغزش بھی آگئی تو اکیلے آپ ہی نہیں پوری کی پوری قوم جہنم کے عمیق ترین گڑھے میں جا گرے گی اور اسکے بعد ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں!

حصول مقصد

اب رہا اس مقصد کا حصول جس کے لئے یہ خطۂ زمین حاصل کیا گیا تھا سو اس کے لئے آپنے وہی راستہ اختیار کیا تھا جسے قرآن کریم نے تجویز کیا ہے اور جس کی صداقت کا ثبوت خود واقعات نے بہم پہنچا دیا ہے یعنی قوم میں نفسیاتی تغیر۔ ان کے قلب و دماغ میں تبدیلی۔ ظاہر ہے کہ یہ تبدیلی صحیح فکر کے عام کرنے ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور یہی طریق کار آپنے اختیار کیا تھا۔ اس سلسلہ میں اگرچہ ایک طبقہ کی طرف سے آپکو بڑے جگر خراش طعنے سننے پڑے۔ آپکو بے عملوں کی جماعت قرار دیا گیا حتیٰ کہ آپ کے کسی ایک سیماب پا ساتھی بھی آپ سے یہ کہہ کر الگ ہو گئے کہ

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

لیکن واقعات نے بتا دیا کہ ان خام کاروں کی گرمجوشیاں اور برق رفتاریاں تخریب کے سوا کوئی نتیجہ مرتب نہ کر سکیں اور فکری ساحلوں کے فقدان کی وجہ سے ہماری نئی نسل کی صلاحیتیں اور توانائیاں تلاطم خیز سیلاب بنکر رہ گئیں۔

اس ضمن میں، میں اتنا اور عرض کر دوں کہ ہم نے جو تبدیلیٔ فکر و نظر کا مسلک اختیار کیا ہے تو اس سے مقصد کسی پیشی یا افادہ مفاد کا حصول نہیں۔ یہ فریضۂ خداوندی ہے جس کی ادائیگی ہم پر لازم ہے۔ میں نے شروع میں عرض کیا ہے کہ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ خدا کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا تاوقتیکہ اسے آگاہ نہ کر دیا جائے کہ صحیح سلامتی کی راہ کونسی ہے اور تباہی کی کونسی۔ یہ آگاہی خدا کے پیغام بروں کے ذریعے عمل میں آتی تھی اور اب ختم نبوت کے بعد یہ فریضہ حاملین قرآن پر عاید ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داری کتنی اہم ہے اسکے متعلق قرآن میں ہے کہ اس تباہی کے وقت فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (۷/۶)۔ ہم ان لوگوں سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف یہ پیغام رساں بھیجے گئے تھے اور خود ان پیغام رسانوں سے بھی کہ تم نے اپنا فریضہ کس حد تک ادا کیا تھا۔ سو عزیزانِ من! آپ جو یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں تو اس کا جذبۂ محرکہ خدا کی یہ بازپرس ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ آپکی ذمہ داری کس قدر عظیم ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہماری ان کوششوں کے نتائج کب نمودار ہوں گے سو اسکے لئے آپکو متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس سلسلہ میں خدا نے خود رسول اللہ سے کہہ دیا تھا کہ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (۱۳/۴۰)۔ تیرے ذمے اتنا ہی ہے کہ تو اس پیغام کو پہنچائے جا۔ یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ اس کا نتیجہ کب مرتب ہو کر سامنے آئیگا۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (۴/۸۰)۔ ہم نے تمہیں ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا کہ تم سے پوچھا جائے کہ تم نے انہیں مار مار کر اس راستے پر کیوں نہیں چلایا۔

یہ ہے عزیزانِ من! اس باب میں ہماری ذمہ داری کی نوعیت اور کیفیت۔ پیغام خداوندی کا پہنچانا ہمارے ذمے ہے۔ نتائج مرتب کرنے کے ہم مکلف نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ حالات کے تقاضے کے مطابق ہم اپنی مساعی کو وسیع تر اور تیز تر کرتے جائیں اور ظاہر ہے کہ حالات جس قدر نازک اب ہیں اس سے پہلے کبھی ایسے نازک نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی مساعی کو۔۔ وہ کتنے ہی محدود پیمانے پر کیوں نہ ہوں۔۔ پہلے سے زیادہ تیز کر دیں۔ آپ حالات کی ناسازگاری سے نہ گھبرائیے اور اپنے مسلک کی صداقت اور نتیجہ خیزی پر یقین محکم رکھئے۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (۳/۱۳۹)۔ یہ زمانے کی گردش دولابی ہے قوموں میں اس قسم کے آثار چڑھاؤ ہوتے رہتے ہیں۔ اسلئے اس میں گھبرانے کی کونسی بات ہے۔ نہ ہی اس سے پریشان ہو جیئے کہ قوم پر اس وقت مایوسی چھا رہی ہے۔ دلوں میں اضطراب اور ذہنوں میں ہیجان ہے اسلئے وہ اس پیغام کے سننے کے (MOOD) میں نہیں۔ پیغام دینے والوں کو قوم کے (MOOD) کیساتھ نہیں چلنا چاہیئے۔ انہیں قوم کا (MOOD) بدلنا چاہیئے۔ جب ۱۹۲۲ء میں ترکوں کو ایسی شکست ہوئی کہ اقوام مغرب ان کی مملکت کے حصے بخرے کرنے لگ گئیں تو اس سے تمام مسلم ممالک پر بالعموم اور ہم ہندی مسلمانوں پر بالخصوص مرگ آفریں مایوسی چھا گئی۔ ان تاریک تر حالات میں وہ مرد دانا جس کی زبان پر ہمیشہ لَا تَقْنَطُوْا کا پیغام حیات بخش رہتا تھا اٹھا اور قوم کو "طلوع اسلام" کے عنوان سے نئی زندگی اور تازہ ولولوں کا وہ پیغام دیا جس نے اسکی مایوسیوں کو امیدوں میں بدل دیا۔ اس نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے جو اس امر کے شاکی تھے کہ قوم افسردہ خاطر اور پژمردہ دل ہو رہی ہے اسے کس طرح بیدار کیا جا سکتا ہے، جھنجھوڑ کر کہا کہ:

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
تڑپ صحن چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیمابی
ضمیر لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

اور یہی آج آپ سے میرا پیغام بھی ہے۔ والسلام۔

دین کے معاملہ میں محتاط رہیے!

(وزیر اطلاعات کی خدمت میں)

ہم نے خیال کیا تھا کہ "اسلامی سوشلزم" کی داعی جماعت (پیپلز پارٹی) برسر اقتدار آئی ہے تو یہ اگر "اسلامی" کچھ بھی نہیں کرے گی تو کم از کم سوشلزم کے اتباع میں عوام کو ان توہم پرستیوں سے تو نکال دے گی جو صدیوں کی جہالت کی پیداوار ہیں اور جو ان کی فکری اور شعوری صلاحیتوں کو دیمک کی طرح چاٹ گئی ہیں ـــــ بالفاظ دیگر، یہ اگر آگے تک نہ بھی پہنچی تو کم از کم آدھی منزل طے کرے گی۔ لیکن اتنی قلیل سی مدت نے بتایا کہ ہمارا یہ خیال خام تھا۔ ان کا مسلک بھی اپنے پیشروؤں کی طرح، یہی ہے کہ

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

ان کے زمانوں میں بھی اسی طرح، مزاروں پر پھولوں کی چادریں چڑھتی ہیں قبروں کو غسل دیئے جاتے ہیں۔ خانقاہوں کی آرائش و زیبائش کے لئے لاکھوں روپے کے عطیات کا اعلان ہوتا ہے۔ معاملہ یہیں تک رہتا تو پھر بھی خیر تھی۔ لیکن اب بات آگے بڑھ رہی ہے۔ مرکزی وزیر اطلاعات، کوثر نیازی صاحب نے، داتا گنج بخشؒ سے عرس کی تقریب پر محفل سماع کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:

(پاکستان میں) ایسا اسلامی نظام رائج کیا جائے گا جو داتا گنج بخشؒ اور دیگر بزرگان دین، صوفیائے کرام کی تعلیمات پر مبنی ہوگا (مشرق۔ ۴ر اپریل [illegible])

اگر وقت اور گنجائش ہوتی تو ہم تفصیل سے بتاتے کہ ان حضرات (صوفیائے کرام) کی تعلیمات پر مبنی اسلام کس قسم کا ہوگا۔ سردست ہم چند ایک مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ چونکہ بات داتا گنج بخشؒ سے شروع ہوئی ہے اس لئے ہم بھی آغاز بھی انہی کی تعلیم سے کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

بہشت میں پہلا فتنہ جو آدم پر مقدر ہوا اس کی اصل عورت تھی۔ پہلے پہل جو فتنہ دنیا میں ظاہر ہوا یعنی ہابیل و قابیل کی لڑائی، اس کا سبب بھی عورت تھی۔ اور جب خدا نے چاہا کہ دو فرشتوں [illegible]

[illegible]

عام روایت کے مطابق، خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے 'داتا صاحب' کے مزار پر چلہ کاٹا تو آپ کو ہندوستان کی ولایت عطا ہو گئی اور انہی کی ذات میں ہندوستان میں' صوفیائے کرام کے سلسلہ چشتیہ کا آغاز ہوا۔ آئیے اب مختصر طور پر دیکھیں کہ ان حضرات کی تعلیم کس قسم کی تھی۔ ان کی تعلیم ان کے ملفوظات میں قلمبند ہے' اور ملفوظات کی تدوین کا انداز یہ تھا کہ ہر مرشد کے ملفوظات ان کا خلیفہ قلمبند کر لیتا تھا۔ خواجہ اجمیریؒ کے پیر و مرشد خواجہ عثمان ہارونیؒ تھے۔ ان کے جو ملفوظات' خواجہ اجمیریؒ نے قلم بند فرمائے ہیں ان کے مجموعہ کا نام "انیس الارواح" ہے۔ اس میں خواجہؒ اپنے پیر و مرشد کے متعلق فرماتے ہیں:

"میرے ہمسایہ میں میرا ایک پیر بھائی تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا' لوگ تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دفن کر کے واپس چلے آئے' میں اس کی قبر پر بیٹھا رہا۔ عالم مشغولی میں کیا دیکھتا ہوں کہ دو فرشتے عذاب کے اس کے پاس آئے اور چاہتے تھے کہ عذاب کریں۔ اتنے میں حضرت پیر و مرشد تشریف لائے اور ان دونوں فرشتوں کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ اسے عذاب مت کرو۔ یہ میرا مرید ہے۔ وہ حسب الارشاد واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں واپس آئے اور عرض کی' باری تعالیٰ کا فرمان یہ ہے کہ اگرچہ یہ شخص آپ کا مرید تھا لیکن آپ کے طریقہ سے برگشتہ تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حال ایسا ہی ہے مگر اس نے اپنی ذات کو میرے پلے میں باندھا تھا۔ اس کی حمایت میرے ذمہ ضروری ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ان فرشتوں کو حکم ہوا کہ واپس چلے آؤ۔ اس شخص کو عذاب نہ کرو۔ ہم نے اسے حضرت کی خاطر عزیز ہونے کے سبب سے بخش دیا ہے۔"

اس کے بعد خواجہ صاحب نے اپنے پیر و مرشد کی معیت میں ایک سفر کا حال لکھا ہے۔ جس میں (بدخشاں میں) ایک بزرگ کو دیکھا جن کی عمر ایک سو چالیس برس کی تھی۔ ان کا ایک پاؤں جڑ سے کٹا ہوا تھا۔ اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ

"میں ایک مدت سے اس صومعہ میں معتکف ہوں۔ اس سے کبھی ایک قدم بھی خواہشِ نفس سے باہر نہیں نکالا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ہوائے نفسانی سے یہ بریدہ پاؤں باہر نکالا۔ اور دوسرا نکال کر ارادہ روانگی کا کر رہا تھا کہ ہاتفِ نے آواز دی ——— اے مدعی! تمہیں عہد بھی کہ فراموش کر دی! ——— یہ آواز سن کر متنبہ ہوا اور اپنی وعدہ خلافی سے پشیمان۔ چھری میرے پاس موجود تھی۔ فی الفور میان سے نکالی اور اس پاؤں کو [illegible]"

[illegible] دربارہ چاند و سورج گرہن ہوئی۔ آپ نے فرمایا:

"[illegible] رسول اللہؐ سے روایت کی ہے کہ جب آدمیوں سے گناہ زیادہ سرزد ہوتے ہیں' فرشتوں کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ چاند اور سورج کو پکڑو اور اس کے کسی جزو کل کو کسی قدر عرصہ کے لئے بے نور کر دو کہ اس سے خلق کو عبرت ہو۔"

ایک مجلس میں فرمایا کہ:

"اگر خاوند کے جسم سے پیپ اور خون رواں ہو اور عورت اسے صاف کرنے کے لئے اپنے منہ سے چاٹے تو بھی خاوند کا حق کما حقہٗ ادا نہیں ہو گا۔"

ایک مجلس میں فرمایا کہ "حضرت عیسیٰؑ کا دسترخوان سرخ رنگ کا تھا۔ وہ آسمان سے نازل ہوا تھا۔ جو شخص سرخ دسترخوان پر روٹی کھاتا ہے' بروزِ حشر حضرت جبریلؑ اس کے لئے براق مع حلّۂ بہشتی لائیں گے۔"

ایک مجلس میں اہلِ جنت سے متعلق گفتگو ہوئی تو فرمایا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ ہمیں اہلِ جنت کے خورد و نوش سے خبر دیجئے۔ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے مجھ کو اس ذوالجلال والاکرام کی جس نے مجھے پیغمبری دی ہے کہ مرد بہشت میں سو مرتبہ کھانا کھائے گا اور سو ہی

مرتبہ اپنی عیالداری سے محبت کرے گا۔ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب اس قدر کھانا پینا ہوگا تو انہیں قضائے حاجت بھی ہوگی یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ وقت قضائے حاجت شکم سے ایک ریح خارج ہوگی جس کی خوشبو مشک کو مات کر جائیگی۔"

دلیل العارفین

اب اس مجموعہ کو لو جو خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے اور جنہیں خواجہ قطب عالم نے مرتب فرمایا تھا۔ آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

"فقہ اکبر میں بروایت امام اعظم ابو حنیفہؒ لکھا ہے کہ ایک کفن چور جس نے چالیس سال تک کفن چرائے تھے، قضائے الٰہی سے مر گیا۔ اس کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت بریں میں خراماں ہے۔ پوچھا یہ درجہ تم نے کہاں سے حاصل کیا؟ جواب دیا کہ نماز پڑھنے اور صبح کی نماز سے اشراق تک مصلے پر قرار پکڑنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے سارے گناہ بخش دیئے۔"

ایک مجلس میں فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ کی تفسیر میں فرمایا کہ ویل ایک کنواں یا میدان، دوزخ میں ہے۔ اس سے زیادہ کسی دوزخ میں عذاب نہیں۔[1]

ایک مجلس میں عذاب قبر کے متعلق گفتگو کے دوران میں فرمایا:

"ایک بزرگ بصرہ کے ایک قبرستان میں بیٹھے تھے۔ پاس ہی متصل ایک مردے کو عذاب قبر ہو رہا تھا۔ اس بزرگ نے جب یہ حال دیکھا تو زور سے نعرہ مار کر زمین پر گر پڑے۔ ہم نے اٹھانا چاہا تو معلوم ہوا کہ جان قالب سے پرواز کر گئی ہے۔ پھر تھوڑی دیر میں بدن ان کا پانی ہو کر ناپید ہو گیا۔ اسی طرح فرمایا کہ دو درویش قوالی سنتے سنتے زمین پر گر پڑے۔ خرقہ ان کا زمین پر پڑا رہا اور جسم اس کے اندر سے غائب ہو گیا۔"

ایک مجلس میں خواجہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ "بروز قیامت انبیاء و اولیاء سب قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ ان کے کندھوں پر کمبل پڑے ہوں گے ہر ایک کمبل میں کم و بیش ایک لاکھ تانے کے تاگے اور ایک لاکھ بانے کے ہوں گے۔ ان کے مرید اور بیچے ان کے ان تاگوں کو پکڑیں گے اور اس وقت تک پکڑے رہیں گے جب تک خلق ہنگامۂ محشر سے فارغ نہ ہو۔ پھر حق تعالیٰ انہیں پل صراط پر پہنچائے گا اور وہ مع اپنے پیروں کے اس تیس ہزار برس کے راستوں کو ایک دم میں طے کر کے بہشت کے دروازہ پر پہنچ کر دار النعیم میں داخل ہو جائیں گے۔"

ایک اور مجلس میں فرمایا کہ "جب رسول اللہ کا وصال ہوا تو آپ نے اصحاب کہف کا نام دیکھا۔ انہیں سلام کیا۔ حق تعالیٰ نے سب کو زندہ کیا اور جواب سلام دلوایا۔ آپ نے مذہب اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے اسے بصدق دل منظور کیا۔"

ایک مجلس میں فرشتوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "وہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ ہابیل نامی پیدا کیا ہے۔ اس کا ایک ہاتھ مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں۔ تسبیح اس فرشتہ کی ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ۔ وہ روزی پر موکل ہے۔ اس کے سامنے ایک تختی ہے جس پر خطوط سیاہ و سفید ہیں۔ وہ ان خطوط کی درازی اور کوتاہی سے رزق

---

[1] تباہی (ویل) ہے ان نمازیوں کے لئے جن کی نمازیں تیری "دوزخ" کی طرف بے نتیجہ رہ جائیں۔

دن چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو رات دن گھٹ بڑھ جاتے ہیں۔ یہ فرما کر آپ زار و قطار رونے لگے اور عالم بیہوشی آپ پر طاری ہوا۔ پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے کوہ قاف کو پیدا کیا ہے اور تمام عالم اس کے احاطہ کے اندر آباد ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں بھی اس کا ذکر ہے۔ فرمایا: قٓ والقرآن المجید..... پھر فرمایا کہ وہ پہاڑ زمین سے چالیس گنا زیادہ وسیع ہے۔ آسمان ایک گائے اپنے سر پر رکھے ہوئے ہے۔ درازی اس گائے کی تیس ہزار سال کی راہ ہے۔ سر اس کا مشرق میں اور دُم مغرب میں ہے۔

پھر بتایا۔ کہ خواجہ مودود چشتیؒ نے جس مجلس میں یہ بات بیان کی تھی اس میں ایک درویش حاضر تھے۔ انہیں اس سے اپنے دل میں کچھ شک گزرا۔ حضرت خواجہ سر بمراقبہ ہوئے اور وہ درویش اپنے اپنے خرقوں سے گم ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں واپس آئے تو اس درویش نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے حضرت خواجہ نے کوہ قاف دکھا دیا ہے۔ اب مجھ کو کوئی شبہ نہیں رہا۔

ایک مجلس میں فرمایا کہ:

"جس روز اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا، اس روز اللہ تعالیٰ نے ایک سانپ کو بھی پیدا کیا اور اس سانپ سے ارشاد فرمایا کہ اے سانپ! ہم تجھے امانت سپرد کرتے ہیں، منظور ہے یا نہیں۔ سانپ نے جواب دیا مجھے بسر و چشم منظور ہے۔ حکم ہوا منہ کھول دے۔ اس نے منہ کھولا۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ دوزخ لاؤ اور اس سانپ کے منہ میں رکھ دو۔ فرشتوں نے دوزخ لا کر اس کے منہ میں رکھ دی اور منہ باندھ دیا۔ اب دوزخ اس سانپ کے منہ میں ہے ساتویں زمین کے نیچے۔ اگر دوزخ سانپ کے منہ میں زیر زمین نہ ہوتی تو تمام عالم جل جاتا"

ایک مجلس میں الحمد شریف کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ

"میں اور خواجہ عثمان ہارونیؒ سفر میں تھے۔ دجلہ کے کنارے پہنچے، دریا طغیانی پر تھا۔ میں فکر میں ہوا کہ کس طرح پار اتریں، اور جلد عبور کرنے کی ضرورت تھی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ آنکھیں بند کرو۔ میں نے آنکھیں بند کیں۔ تھوڑی دیر میں کھولیں۔ خود اور حضرت خواجہ کو دجلہ کے پار پایا۔ میں نے دریافت کیا کہ کس طرح عبور فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ الحمد شریف کو پانچ مرتبہ پڑھ کر پانی پر قدم رکھا اور پایاب اتر گئے۔"

ایک دفعہ فرمایا کہ "جب حضرت آدم سے لغزش ہوئی تو تمام چیزیں حضرت کو دیکھ کر رونے لگیں لیکن چاندی اور سونا نے آنسو نہ نکالے اور خدا سے عرض کی کہ ہم اس کے حال پر نہ روئیں گے جو تیرا گناہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عرض سُن کر قسم کھائی اور کہا کہ میں تمہاری قیمت مقرر کر دوں گا اور بنی آدم کو تمہارا خادم بنا دوں گا۔"

اس کے بعد فرمایا کہ جنگل میں ایک درویش رحلت کردہ کی لاش کو دیکھا کہ ہنس رہی تھی۔ پوچھا تم تو مر چکے ہو اب کیونکر ہنستے ہو۔ جواب دیا کہ محبتِ حق تعالیٰ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

فوائد السالکین

اب آپ فوائد السالکین کو دیکھئے جو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکیؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اور جنہیں ان کے خلیفہ خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے مرتب فرمایا تھا۔ خواجہ صاحب قصبہ اوش کے رہنے والے تھے جو ماوراء النہر کا ایک قصبہ ہے۔ آپ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کی والدہ پندرہ پارہ کی حافظ تھیں اور ایام حمل میں قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف رہتی تھیں۔ اس لئے آپ پیدائش ہی سے پندرہ پارہ کے حافظ تھے۔

آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ وہ بدخشاں میں ایک بزرگ تھے انہوں نے حاکم وقت کو حکم دیا کہ ایک خانقاہ تیار کرو۔ اس نے خانقاہ تیار کرائی تو آپ نے حکم دیا کہ ہر روز بازار سے ایک کتا خرید کر لائیں۔ حسب الحکم روز کتے خرید کر لاتے۔ آپ ان کا ہاتھ پکڑ کر سجادہ پر بٹھاتے اور فرماتے، خدا کے سپرد کیا۔ آخر الامر وہ کتے ایسے ہوگئے کہ ہر ایک ان میں کا پانی پر چلتا تھا اور جس کسی کو وہ نقش دیتا، اچھا ہو جاتا۔"

ایک مجلس میں فرمایا کہ وہ میں اور قاضی حمید الدین ایک سفر میں تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا بچھو ہے، جو دریا کی جانب روانہ ہو رہا ہے۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ دریا پر پہنچے تو دریا زور شور سے رواں تھا۔ اور کوئی کشتی وغیرہ موجود نہ تھی۔ ہم نے اللہ سے دعا کی کہ اگر ہم نے اپنا کام کمال کو پہنچا لیا ہو تو دریا ہمیں راہ دیدے۔ ناگاہ دریا شق ہو گیا اور درمیان دریا راہ ہویدا ہوئی۔ ہم اس راہ میں رواں ہو کر پار اتر گئے۔ وہ بچھو ہمارے آگے آگے تھا۔ بچھو ایک درخت کے تلے پہنچا۔ جس کے سائے میں ایک مرد سو رہا تھا۔ اور ایک اژدہا اس کو کاٹنے کے لئے آ رہا تھا۔ بچھو نے سانپ کے ڈنگ مارا اور سانپ مر گیا تو بچھو غائب ہو گیا۔ وزن اس سانپ کا ہزار من کا ہوگا۔ ہم اس شخص کے قریب گئے تو معلوم ہوا کہ وہ شرابی ہے شراب پی کر قے کی ہے اور بدمست پڑا ہے۔ ہم متعجب ہوئے کہ ایسے نافرمان شخص پر اللہ نے ایسی نوازش فرمائی ہے۔ جونہی یہ اندیشہ ہمارے دل میں گزرا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اگر ہم پارساؤں پر ہی اپنی توجہ مبذول رکھیں تو غریبوں کا حامی کون ہوگا؟"

ایک مجلس میں فرمایا کہ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ایک مرید نے آپ سے کہا کہ میرے ہمسایہ نے میرے مکان سے متصل ایک چوبارہ بنوایا ہے جس سے میرا مکان بے پردہ ہو گیا ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ شخص یہ جانتا ہے یا نہیں کہ تم میرے مرید ہو۔ اس نے کہا کہ وہ اس سے واقف ہے۔

آپ نے یکایک زبان مبارک سے فرمایا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ کوٹھے پر سے گر نہیں پڑتا اور اس کا مہرہ گردن ٹوٹ نہیں جاتا۔ اس اثنا میں وہ مرید اپنے گھر کو گیا۔ راستے میں سنا کہ وہ شخص کوٹھے سے گر پڑا ہے اور اس کی گردن کا مہرہ ٹوٹ گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ بغداد شریف میں ایک شخص کو جرم قتل کی سزا میں قتل کرنے لگے اور قاعدے کے موافق اس کا منہ قبلہ رخ کرنے لگے تو اس نے اپنا منہ قبلہ سے پھیر کر اپنے پیر کے مزار کی طرف کر لیا۔ جلاد نے کہا کہ مرتے وقت اپنا رخ قبلہ کی طرف کرنا چاہیئے۔ اس نے کہا کہ تو اپنا کام کر۔ میں نے اپنا منہ اپنے قبلہ کی طرف کر لیا ہے۔ وہ دونوں اسی حیص بیص میں تھے کہ خلیفہ کا قاصد آیا اور اس نے کہا کہ اس شخص کا جرم خلیفہ نے معاف کر دیا ہے۔ اس پر خواجہ قطب عالمؒ نے فرمایا کہ دیکھو۔ اس شخص کی خوش عقیدگی نے اسے قتل سے صاف بچا لیا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ "حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کو جب اشتیاق خانہ کعبہ کا غالب آتا تو اسے فرشتے سرزمین چشت میں لے آتے کہ خواجہ صاحب زیارت سے مشرف ہوں۔

راحت القلوب

اب اس مجموعہ کی طرف آیئے جو ان سب میں بڑا ہے۔ یعنی "راحت القلوب"۔ اس میں خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے وہ ملفوظات ہیں جنہیں خواجہ نظام الدین اولیاء نے مرتب فرمایا تھا۔ خواجہ گنج شکرؒ اجودھن کے رہنے والے تھے۔ محرم ۶۶۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پاک پٹن (ضلع منٹگمری) میں ہے۔ آپ کے لقب (گنج شکرؒ) کی وجہ تسمیہ میں بہت سے اقوال ہیں۔ ان میں

ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کہیں جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک بنجارہ گزرا جس کے بوروں میں شکر لدی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا کہ بوروں میں کیا ہے؟ اس نے ازراہِ ظرافت کہا کہ نمک ہے۔ گھر جا کر بورے اُلٹے تو ان سب میں نمک ہی نمک تھا۔ وہ روتا ہوا حاضرِ خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا۔ کہ بہت اچھا، وہ شکر تھی تو شکر ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ شکر بن گئی۔

ان کے ملفوظات میں ہے کہ: "خواجہ ابوسعید ابو الخیر ایک دفعہ ذکرِ خدا میں مشغول تھے کہ بال کی جڑ سے خون روانہ ہونے لگا۔ اہلِ خانہ نے ایک کاسۂ چوبیں نشست کے نیچے رکھ دیا۔ کہ جو خون بہے وہ کاسہ میں جمع ہو جائے۔ آپ کے جسم مبارک سے اس قدر خون رواں تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کاسہ بھر گیا اور اہلِ خانہ نے وہ خون پی لیا۔"

ایک مجلس میں فرمایا کہ "نواحِ غزنی میں میں نے ایک بزرگ کو دیکھا وہ نہایت نحیف اور لاغر تھے۔ ان کی عادت تھی کہ ہر شب ایک سو بیس رکعات نمازِ نفل ادا فرماتے تھے۔ لیکن عارضۂ شکم کی وجہ سے ہر دو رکعت کے بعد انہیں قضائے حاجت کی ضرورت ہوتی تھی۔ آپ قضائے حاجت کے واسطے تشریف لے جاتے۔ واپس آ کر غسل فرماتے اور دوگانہ ادا کرتے۔ پھر قضائے حاجت ہوتی اور غسل کرتے اور دوگانہ ادا کرتے۔ مختصر یہ کہ اس شب وہ ساٹھ مرتبہ نہائے اور اپنا وظیفہ ادا کیا آخر بار جب نہانے تشریف لے گئے تو وہاں آپ انتقال فرما گئے۔ سبحان اللہ! کیسے مضبوط اور راسخ العقیدہ تھے۔"

ایک دفعہ فرمایا کہ "جب مغلوں نے یمن کا محاصرہ کیا تو والیٔ یمن حضرت خواجہ ابواللیث کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی۔ آپ نے وہ خلیفہ کو عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ غروبِ آفتاب کے وقت مغلوں پر شبخون مارنا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور جونہی وہ لکڑی لشکرِ مغل پہ پھینکی انہیں ہزیمت واقع ہوئی اور وہ لڑتے لڑتے بھاگ گئے۔"

اسی طرح ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ ایک سیاح نے مجھ سے یہ حکایت بیان کی تھی کہ میں نے شہرِ دمشق کو اجاڑ پایا اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہاں کے بعض باشندوں نے وظیفہ ترک کر دیا تھا۔ ناگاہ مغلوں کا لشکر ان کے شہر میں آیا اور شہر کو ویران کر دیا۔"

چونکہ یہ ایک تاریخی بات ہے جو درمیان میں آ گئی ہے، اس لئے آپ کی اطلاع کے لئے ہم اتنا بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یمن پر مغلوں کا حملہ بالکل خلافِ واقعہ ہے۔ باقی رہا مغلوں کا دمشق پر حملہ سو دمشق پر پہلی بار تیمور کے زمانے میں مغلوں نے حملہ کیا تھا جو خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے قریب سو سال بعد کا واقعہ ہے۔

ایک مجلس میں فرمایا کہ "ایک نوجوان واصلانِ حق میں سے تھا۔ جب عمر اس کی تمام ہوئی ملک الموت نے اسے شرق سے غرب تک ڈھونڈا لیکن نہیں پتہ پایا۔ مجبوراً اپنے مقام پر آ کر سجدہ میں سر رکھا اور خدا سے درخواست کی کہ وہ اس نوجوان کا پتہ بتا دے۔ حکمِ خدا ہوا کہ اس نوجوان کو فلاں خرابہ میں تلاش کرو۔ لیکن ملک الموت کو اس کا وہاں بھی کچھ پتہ نہ چلا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اے ملک الموت! تم ہمارے دوستوں کی روح قبض نہیں کر سکتے اور نہ ان کو دیکھ سکتے ہو۔ وہ لوگ میرے پاس ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ "شیخ جلال الدین رومی کبھی روم میں نماز نہ پڑھتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا آپ غائب ہو جاتے۔ آخر معلوم ہوا کہ آپ شرعاً وقتیہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں۔"

ایک جگہ لکھا ہے کہ "ایک جوگی حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس سے کہا کہ کوئی کرامت دکھاؤ۔

یہ سُن کر وہ ہوا میں اُڑنے لگا۔ آپ نے اپنی جوتیاں ہوا میں چھوڑ دیں۔ وہ اس جوگی کے سر سے اونچی چلی گئیں۔ چنانچہ جوگی معترف ہوا کہ جس شخص کی جوتیوں کا یہ مرتبہ ہے وہ خود کس مرتبے کا ہوگا۔"

ایک مرتبہ آپ نے اپنی ریاضت کے متعلق فرمایا کہ "میں بیس سال عالمِ تفکر میں کھڑا رہا۔ بالکل نہیں بیٹھا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس بیس سال میں میں نے کچھ کھایا ہو۔"

اس مجلس میں حضرت عمرؓ کے مناقب بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک دہی بیچنے والا راستے میں کھڑا رو رہا ہے۔ اس نے کہا کہ میرا دہی زمین پر گر گیا تھا۔ زمین اسے پی گئی ہے۔ کیا آپ روا رکھ سکتے ہیں۔ یہ سنکر آپ نے دُرّہ اٹھا کر نعرہ مارا کہ اے زمین! تو دہی واپس دیتی ہے یا نہیں؟ یہ سنتے ہی زمین پھٹ گئی اور دہی اوپر نکل آیا۔ اس دہی والے نے اپنا سب وجہ دہی سے بھر لیا اور چل دیا۔"

اسی طرح فرمایا کہ "ایک دفعہ حضرت عمرؓ اپنا خرقہ سی رہے تھے اور پشت آپ کی جانب آفتاب تھی۔ پشت آپ کی تمازتِ آفتاب سے گرم ہوگئی تو آپ نے نگاہِ غضب سے آفتاب کی طرف دیکھا۔ سُتّا فرشتوں کو حکم ہوا کہ نورِ آفتاب کا محو کریں کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا ہے۔ فرشتوں نے فی الفور تعمیل کی اور نورِ آفتاب سے لے لیا۔ جملہ جہاں تاریک ہوگیا۔ رسول اللہؐ اس زمانہ میں حیات تھے۔ از حد غمناک ہوئے۔ فرمانے لگے کہ شاید قیامت قائم ہوگئی جو نورِ آفتاب سے لے لیا گیا۔ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت جبریلؑ نازل ہوئے اور بیان کیا کہ یا رسول اللہؐ! قیامت قائم نہیں ہوئی۔ بلکہ آفتاب کا نور حضرت عمرؓ کی گستاخی کی وجہ سے چھین لیا گیا ہے۔ رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ کو طلب فرمایا اور شفاعت کی۔ حضرت عمرؓ نے سورج کو معاف کر دیا۔ فی الفور جہان روشن ہوگیا۔"

ایک مجلس میں فرمایا کہ "عہدِ رسول اللہؐ کا ذکر ہے کہ ایک شخص کے ہاں دو بچے توام پیدا ہوئے۔ یہ خبر آنحضرتؐ کو پہنچائی گئی اور عرض کیا گیا کہ ان کے جدا کرنے کی ترکیب فرمایئے۔ آپ متفکر تھے کہ حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ! ان کے سروں میں ایک ہی کنگھا کرنا چاہیئے، علیحدہ ہو جائیں گے۔ ایسا ہی کیا گیا، اور وہ الگ الگ ہو گئے۔"

[illegible] تو شہر میں یہودیوں کی ایک جماعت سخت منکر تھی۔ ان میں سے ایک یہودی نے جنازہ کے قریب آکر کہا کہ اگر آپ مجھے اس وقت تلقین کریں تو میں مسلمان ہوتا ہوں اور میرے ساتھ ہزار آدمی اور مسلمان ہوں گے۔ وہ یہ بات پوری ذکر چکا تھا کہ آپ نے کفن سے ہاتھ باہر نکالا اور دونوں آنکھیں کھول کر کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ چنانچہ اس پر وہ سب مسلمان ہو گئے۔"

اسی طرح جب خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ کا انتقال ہوا ہے اور لوگوں نے چاہا کہ جنازہ اٹھائیں تو جنازہ خود بخود ہوا میں معلق ہو کر چلنے لگا۔ دفن کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ جنازہ کو فرشتے اٹھائے تھے۔ یہ بیان کر کے آپ نعرہ مار کر بیہوش ہو گئے اور دیر تک بے ہوش پڑے رہے۔"

ایک مجلس میں فرمایا کہ "ایک روز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب ایک جا نشستن تھے۔ معاویہؓ یزید کو اپنے کندھے پر سوار کئے ہوئے گزرے۔ رسول اللہؐ نے تبسم کیا کہ سبحان اللہ! دوزخی بہشتی کے کندھے پر سوار ہے۔ یہ ارشاد والا حضرت علیؓ نے سنا۔ دریافت کیا: یا رسول اللہؐ! فرمایئے کہ پسرِ معاویہ کیونکر دوزخی ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ اے علیؓ! یزید بدبخت

وہ ہے جو میرے حسنؓ و حسینؓ اور ان کی تمام اولاد کو شہید کرا دے گا۔ امیر المومنین حضرت علیؓ اٹھے اور تلوار میان سے نکالی اور چاہا کہ یزید پلید کو مار ڈالیں۔ آنحضرت مانع ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ حکم باری تعالیٰ کا ایسا ہی ہے۔ مخالفت تقدیر کی نہ کرنی چاہیئے"۔

آپ کی اطلاع کے لئے اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ یزید کی پیدائش ۲۶ ھ میں ہوئی تھی۔ یعنی رسول اللہ کی وفات سے بھی سولہ برس بعد۔

راحت المحبین

اب چند ایک مثالیں "راحت المحبین" سے بھی ملاحظہ فرما لیجئے یہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات ہیں جنہیں امیر خسرو نے مرتب کیا تھا۔ خواجہ صاحب بدایوں کے رہنے والے تھے۔ ۷۲۵ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ وہیں آپ کا مزار ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "آدم علیہ السلام بہشت سے کوہ سراندیپ میں (جو اب لنکا یا جزیرہ سیلون کے نام سے مشہور ہے)۔ اترے۔ تین سو برس تک اپنی لغزش کی بنا پر روتے رہے۔ چنانچہ گوشت پوست ان کے رخساروں کا بہہ گیا تھا اور چڑیوں نے ان کے رخساروں پر گھونسلے بنا لئے تھے اور ان کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ آپ کے آنسوؤں سے زمین اس قدر تر ہوگئی کہ اس پر گھاس اُگ آئی اور اتنی بلند ہوگئی کہ آپ کا وجود مبارک اس میں پوشیدہ ہوگیا"۔

"ایک دفعہ فرمایا کہ جس روز حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا ہے اور ایک بھیڑیئے کو پکڑ کر حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں لے گئے کہ اس نے یوسفؑ کو ہلاک کیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے اس بھیڑیئے سے پوچھا کہ تو نے یوسفؑ کو ہلاک کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خیر (یعنی نہیں) آپ نے دوبارہ اس سے دریافت کیا کہ تو جانتا ہے کہ یوسف کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا۔ حضرت مجھے معلوم نہیں۔ اگرچہ آپ جانتے ہیں۔ لیکن عیب جوئی اور عیب گوئی نہیں کرتا"۔

پھر فرمایا کہ "حضرت ایوبؑ نے خدا سے دعا کی کہ مجھے بارہ ہزار زبانیں دے۔ تاکہ ہر زبان سے تیرا ذکر کروں۔ اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں کیڑوں میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ ان کے جسم میں بارہ ہزار کیڑے تھے"۔

حضرت نوحؑ کے متعلق فرمایا کہ وہ ہر رات میں ایک ہزار رکعت نماز نفل ادا کیا کرتے تھے اور قریب صبح سر سجدہ میں رکھ کر عاجزی کیا کرتے تھے۔ اس وقت آپ کے ہر بن مو سے خون جاری ہو جاتا، اور ہر قطرہ سے جو زمین پر گرتا نقش تسبیح پیدا ہو جاتا۔ آپ کی کشتی کے متعلق فرمایا کہ اس کے لئے جبریلؑ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار تختے بنا کئے اور اسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار کیلیں آسمان سے نازل کیں۔ ہر تختے پر ایک نبی کا نام لکھا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے بعد چار تختے خالی رہ گئے۔ آپ نے کہا کہ اب ان پر کس کا نام لکھا جائے گا۔ وحی ہوئی کہ رسول اللہ کے چار یار ہوں گے ان کے اسماء کے بغیر کشتی تیار نہیں ہو سکے گی۔ پھر فرمایا کہ آپ نے حضرت آدم کی نعش (جو صفا اور مروہ کے درمیان تھی)، نکال کر اس کشتی میں رکھی۔ آپ کی کشتی میں ابلیس بھی سوار ہوگیا۔ آپ نے اسے نکالنا چاہا تو ارشاد خداوندی ہوا کہ اسے نہ نکالو ہم نے اسے انقراض عالم تک مہلت دے رکھی ہے"۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ "حضرت عیسیٰ" آخری زمانہ میں دنیا میں اتریں گے اور اپنے معجزہ سے ایک مردہ زندہ

کریں گے وہ ابوطالب ہوں گے" (ابوطالب حضرت علیؓ کے والد تھے)۔

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا کہ "آپ کے والد نے نمرود کے ڈر سے انہیں ایک غار میں پھینک دیا تھا۔ چنانچہ آپ اس غار میں چودہ برس تک رہے۔ جب آگ میں آپ کو ڈالا گیا تھا اس کے متعلق فرمایا کہ اس کی تپش ساٹھ کوس تک جاتی تھی۔ نمرود کے متعلق فرمایا کہ جس مچھر نے اسے ہلاک کیا تھا وہ لنگڑا تھا۔"

حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا۔ کہ "ایک مرتبہ انہوں نے حضرت یعقوبؑ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے گھوڑے سے اترنا چاہا لیکن اس میں ذرا دیر لگ گئی۔ اس پر جبریلؑ تشریف لائے اور حضرت یوسفؑ سے کہا کہ تم نے گھوڑے سے اترنے میں دیر لگائی ہے اس لئے تمہاری اولاد میں کوئی پیغمبر نہیں ہوگا۔"

حضرت سلیمانؑ کے متعلق فرمایا۔ کہ "ان کے باورچی خانہ میں ستر ہزار اونٹ روزانہ نمک لاتے تھے اور وہ روزانہ خرچ ہو جاتا تھا۔" حضرت موسیٰؑ کے متعلق فرمایا کہ "جب وہ پیدا ہوئے تو فرعون نے ایک تنور گرم کر کے انہیں اس تنور میں ڈلوا دیا۔"

ایک مرتبہ مجلس میں درود شریف کی فضیلت کا ذکر آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک روز حضرت عثمانؓ بازار سے مچھلی لائے اور اُسے بریاں کرنا چاہا مگر وہ بریاں نہ ہوتی تھی۔ جس قدر لکڑیاں انبار خانے میں جمع تھیں سب جل گئیں لیکن وہ مچھلی اپنی اصلی حالت پر ہی رہی۔ وہ مچھلی رسول اللہؐ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ کے دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! میں نے دریا میں ایک طائفہ دیکھا تھا جو آپ پر درود بھیجتا تھا۔ میں نے بھی ان کی موافقت میں ایک مرتبہ آپ پر درود بھیجا تھا۔ اللہ نے اس کی برکت سے مجھ پر آگ حرام کر دی ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت جبریلؑ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ حضورؐ میں آپ کی اور آپ کی اولاد کی خدمت کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ فردائے قیامت میں میرے حق میں سفارش فرمائیں گے اور اس روز مجھے فراموش نہ کریں گے۔

ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "ایک چیونٹی ان کے پاؤں تلے آ کر مر گئی اور اس نے شدتِ درد سے سخت آہ کھینچی۔ آپ نے چیونٹی کو اٹھا کر خدا سے دعا کی کہ اگر تیری بارگاہ میں میری کچھ بھی عزت ہے تو اس چیونٹی کو زندہ کر دے۔ چنانچہ وہ چیونٹی اسی وقت زندہ ہو گئی۔"

اسی طرح ایک مرتبہ آپ کنگھی کر رہے تھے کہ آپ کی داڑھی میں سے ایک بال ٹوٹا جسے ہوا اڑا کر یہودیوں کے قبرستان میں لے گئی۔ اس کی برکت سے تین دن تک عذاب ان کافروں پر نہ ہوا۔"

ایک مرتبہ فرمایا کہ "ایک بڑھیا روتی ہوئی حضرت مودود چشتیؒ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ حضور میرے اکلوتے بیٹے کو بادشاہ نے ناحق مروا دیا ہے۔ آپ یہ سُن کر سر دار تشریف لے گئے اور اس لڑکے کی لاش سے کہا کہ اگر تو ناحق مارا گیا ہے تو اٹھ کھڑا ہو۔ لڑکا اسی وقت زندہ ہو گیا۔"

یہ ہے نمونہ اس تعلیم کا جو حضرات صوفیائے کرام کی طرف سے دی جاتی تھی۔ اب خود نفسِ تصوف کے متعلق بھی سنئے کہ اسے اسلام سے کس قدر واسطہ ہے۔ اس سلسلہ میں بھی ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ علامہ اقبالؒ نے پاکستان کا تصور دیا تھا اور اسلامی تعلیم اور تصوف پر بھی ان کی نگاہ جس قدر وسیع و عمیق تھی اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ علامہ نے جب اپنی مثنوی — اسرار و رموز — شائع کی تو اربابِ تصوف کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی اور انہوں نے ملک میں بڑا ہنگامہ برپا کر دیا۔ آپ نے ان لوگوں کے سنجیدہ اعتراضات کا جواب

وضاحت سے دیا جس میں تصوف کی حقیقت پر صراحت سے روشنی ڈالی۔ ان کا یہ مضمون، لکھنؤ سے شائع ہونے والے اخبار (NEW ERA) کی ۲۸؍ جولائی ۱۹۱۷ء کی اشاعت میں (ISLAM AND MYSTICISM) کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

علامہ اقبال اور تصوف

آجکل کا مسلمان یونانی و ایرانی تصوف کی ان تاریک وادیوں میں بے مقصد و مدعا ناک ٹوئیے مارتے پھرنے کو ترجیح دیتا ہے جس کی تعلیم یہ ہے کہ گرد و پیش کے حقائق ثابتہ سے آنکھیں بند کر لی جائیں، اور توجہ اس نیلی، پیلی اور سرخ روشنی پر جماوی جائے، جسے "اشراق" کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہ درحقیقت دماغ کے ان خانوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے جو ریاضت کی کثرت و تواتر کے باعث ماؤف ہو چکے ہیں۔ میرے نزدیک یہ خود ساختہ تصوف اور یہ "فنائیت" یعنی حقیقت کو ایسے مقام پر تلاش کرنا جہاں اس کا وجود ہی نہ ہو، دراصل ایک بدیہی علامت ہے جس سے عالم اسلام کے رُوبہ انحطاط ہونے کا سراغ ملتا ہے۔

دنیائے قدیم کی تاریخ ذہنی کے مطالعے سے یہ نہایت اہم حقیقت آپ پر منکشف ہو جائے گی، کہ زوال پذیر قوموں اور گروہوں نے ہر دور میں اس خود ساختہ تصوف اور فنائیت کے اوٹ میں پناہ لی ہے۔ جب روحِ حیات فنا ہو جاتی ہے اور زمان و مکان کے مسائل سے دست و گریباں ہونے کی ہمت باقی نہیں رہتی تو داعیانِ انحطاط ایک مزعومہ ولایت و سرمدیت کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ اس طرح اپنے معاشرے کی روحانی بے مائیگی اور جسمانی فرسودگی کو آخری مرحلے پر پہنچا دیتے ہیں۔ وہ بظاہر ایک لبھا لینے والا نصب العین وضع کر لیتے ہیں، جس کے فریب میں مبتلا ہو کر صحتمند اور قوی افراد بھی رفتہ رفتہ موت کی آغوش میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسلامی معاشرے کا نظام ایک خاص نوعیت کا ہے جسے اوہام و وساوس کے ان ماتوں نے شدید نقصان پہنچایا ہے۔ بحیثیت ایک معاشرے کے، ہماری تخلیق اس حقیقت پر مبنی ہے کہ اجتماعی ترتیب و تنظیم میں نسل و زبان کے امتیازات پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا جائے۔ یہ مقصد اسی صورت میں پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس نظام شریعت کے تابع رکھیں جو اصلاً الہامی مانا جاتا ہے۔ لیکن قدیم صوفیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ شریعت کی حیثیت تو محض ایک مظہر کی تھی۔ اور وہ خفیہ خفیہ اس کی تلقین بھی کرتے رہے۔ یعنی یہ کہتے رہے کہ یہ حقیقت کا ایک قشر او رایک پردہ ہے۔ اور حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ شریعت سے الگ ہے۔ اکثر حالتوں میں شریعت کی پابندی قائم رکھی گئی تھی کہ اجتماعی نفرین سے بچے رہیں، اگرچہ اس کی حیثیت ایک پردے ہی کی رہی۔ اسلامی فکر و ادب کا مطالعہ کرنے والا کوئی فرد اس اعتراف میں متامل نہ ہوگا کہ شریعت سے اعراض کا رجحان اسی جھوٹے تصوف کا براہ راست نتیجہ ہے جو عجمی دل و دماغ کی پیداوار ہے، حالانکہ شریعت ہی اسلامی معاشرے کو منظم و مرتب رکھنے کا واحد ذریعہ ہے۔

یوں اسلامی جمہوریت رفتہ رفتہ اپنے اصل مقام سے ہٹتی گئی اور اسے ایک نوع کی روحانی امرائیت (آمریت؟) کا غلام بنا دیا گیا۔ یہ امرائیت (آمریت؟) ایسے علم و قوت کی مدعی تھی جس کے دروازے عام مسلمانوں پر بند تھے...... مسلمانانِ اندلس ارسطاطالیسی روحیت سے آگاہی کے باعث مغربی اور وسطی ایشیا کے ضعف انگیز اثرات فکر کے دائرے سے باہر تھے۔ وہ ایشیا کی مسلم قوموں کے مقابلے میں روحِ اسلام سے قریب تر تھے۔ آخر الذکر قوموں نے عربی اسلام

کو عجمی تخیلات میں ڈھلنے دیا، یہاں تک کہ وہ اپنی حقیقی و اصلی حیثیت سے بالکل محروم ہو گیا۔ تسخیرِ ایران کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایران اسلام کا حلقہ بگوش بن گیا، بلکہ یہ نکلا کہ اسلام ایرانیت کے رنگ میں رنگا گیا۔

مغربی اور وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ دسویں صدی عیسوی کے بعد سے کیجئے، جو کچھ میں اوپر لکھ چکا ہوں اس کے ایک ایک حرف کی تصدیق و توثیق مل جائے گی؛ انحطاط کے سحر کی کیفیت یہی ہے کہ جن ہاتھوں سے ہم زہر کا پیالہ پیتے ہیں، انہی کو چومتے ہیں۔

واضح رہے کہ اسلام کا آفتاب تاریخ کے روزِ روشن میں اُفق پر جلوہ گر ہوا۔ ہمارے جمہوریت پرور پیغمبرِ اعظمؐ نے عاقل و دانشمند اصحاب میں زندگی بسر کی اور انہی میں کام کرتے رہے۔ ان اصحاب نے ایک ایک لفظ آنے والی نسلوں تک پہنچا دیا جو اس پیغمبرِ اعظمؐ کی مقدس و بابرکت زبان پر جاری ہوا۔ حضورؐ کی تعلیمات میں کوئی بھی چیز نہیں جسے مخفی کہا جا سکے۔ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ زندگی کی مسرت اور روشنی سے لبریز ہے۔ یہ تاریک اور قنوطیت افزا تصوف کے لئے وجہ جواز مہیا کرنے ہی سے پاک و مبرا نہیں بلکہ ان تمام مذہبی تعلیمات کے خلاف کھلا ہوا جارحانہ اقدام ہے، جنہوں نے صدیوں تک عالمِ انسانیت کو مبتلائے فریب رکھا۔

پھر کیجئے، دنیا کے حقائق کو خوشی خوشی قبول کیجئے۔ خدا اور اس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال و عظمت کی خاطر ان حقائق سے عہدہ برآ ہونے کی سعی و کوشش میں مصروف ہو جائیے۔ اس شخص کی بات پر کان نہ دھریئے جو کہتا ہے کہ اسلام میں کوئی مخفی اصول بھی ہے جسے بعض ناشناساؤں پر منکشف نہیں کیا جا سکتا۔ اسی پر جھوٹے مدعیوں کے اقتدار اور آپ کی غلامی کا انحصار ہے۔

دیکھئے، کس طرح رومی مسیحیت کی روح نے اپنے گرد و پیش مستحکم حصار تعمیر کر لئے تاکہ اس کی تاریک مملکتیں تاریخ نگاروں کے ممکن حملوں سے محفوظ رہیں۔ ایسے ہی لوگوں نے تاریخِ اسلام سے آپ کی ناواقفیت کی بنا پر فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کو غلام بنا رکھا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ تاریخ کی روشنی کبھی نہ کبھی اس کی تعلیمات کے دھندلکے کو آپ کی ذہنی فضا سے زائل کر دے گی۔ لہٰذا وہ آپ کو سکھاتے ہیں کہ حسّی ادراک، حجابِ اکبر ہے (العلم حجاب الاکبر)۔ حسّی ادراک کے یہ دشمن آپ کے احساسِ حقائق کو کند کرتے ہیں اور علمِ تاریخ کی بنیادیں کھوکھلی کر دیتے ہیں۔

نوجوان مسلمانو! اس شعبدہ بازی سے خبردار رہو۔ شعبدہ بازوں کی کمند بڑی مدت سے تمہاری گردنوں پر پڑی ہوئی ہے۔ دنیائے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا انحصار اس پر ہے کہ بڑی سختی سے غیر مصلحانہ انداز کی اس توحید کو اپنا لیا جائے جس کی تعلیم تیرہ سو سال پیشتر عربوں کو دی گئی تھی۔ عجمیت کے دھندلکے سے باہر نکلو اور عرب کے درخشاں صحرا کی روشن فضا میں آ جاؤ۔"

اس تفصیل کو انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں، جو سید سلیمان ندوی (مرحوم) کے نام ۱۳ر نومبر ۱۹۱۷ء کو لکھا تھا، ان چار لفظوں میں سمٹا کر رکھ دیا تھا جب کہا تھا کہ

اس میں ذرا شک نہیں کہ تصوف کا وجود ہی سرزمینِ اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔ (اقبال نامہ۔ یعنی مجموعہ مکاتیبِ اقبال۔ حصہ اول صفحہ ۴۴)

یہ ہے وہ اسلام جسے محترم کوثر نیازی صاحب پاکستان میں جاری کرنا چاہتے ہیں — جاری کرنا ہی نہیں، بلکہ

باقی صفحہ ۶۳ پر

خورشیدِ عالم

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے!

اقبالؔ نے کہا تھا:-

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہگذرِ سیلِ بے پناہ میں ہے

آج کے عالمی حالات پر ایک طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو یہ صداقت سامنے آجائے گی کہ اقبالؔ نے جو کچھ چشمِ انوس سے دیکھا تھا وہ ہمارے سامنے ایک حقیقت بن کر آچکا ہے۔ یہ بحث ہے تو تفصیلی گفتگو کی متقاضی لیکن اس صحبت میں اس کے عمومی خد و خال نمایاں کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ دونوں عالمی جنگیں سامراجی طاقتوں کا باہمی تصادم تھیں جو سامراجی مفادات کی بندر بانٹ کا ناگزیر نتیجہ تھا۔ اس سے سامراجی مقبوضات کی از سرِ نو تقسیم ہوئی اور ان کی تقسیم در تقسیم بھی ہوئی۔ یہ تقسیم سامراجی طاقتوں کو بڑی مہنگی پڑی کیونکہ دونوں جنگوں نے ہمہ گیر تباہی مچائی۔ اس سے سامراج ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گیا جس کا ہدایت کار اصول یہ تھا کہ سامراجی مفادات کی تقسیم اور ان کا تحفظ آپس میں ٹکر کرنے کی بجائے آپس میں مل جل کر کیا جائے تاکہ "یہ میری وہ تیری" کی تکرار پھر سے ان کا خون گرما کر انہیں آپس میں دست و گریباں نہ کر دے۔ باہمی تصادم سے باہمی تعاون تک کا یہ مرحلہ عملی نقطۂ نگاہ سے ہے تو قابلِ فہم لیکن لوٹ کے لئے تعاون بھی کیا جائے تو وہ پختہ بنیاد نہیں ہو سکتا اور اس میں خرابی اور تصادم کا امکان بدستور رہتا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں 'یہ لوگ سر جوڑ کے بھی بیٹھتے ہیں تو ان کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس نئے مرحلے میں مغرب کی سامراجی طاقتیں امریکہ کے پیچھے لگ گئیں اور امریکہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یورپی لہٰذا عالمی سامراج کا قائد بن گیا۔ یورپ کی سامراجی طاقتیں جنگ کی تباہ کاریوں سے اس قدر شکستہ ہو گئی تھیں کہ انہیں اپنے آپ میں آنے کے لئے امریکہ جیسے تباہی سے محفوظ رہ جانے والے امیر ملک کی پشت پناہی کی اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ اس تعاون کے داخلی تضادات جو ایک وقت تک دبے رہے بالآخر ابھر آئے۔ امریکہ نے اپنے حواریوں کو مختلف فوجی اور معاشی تنظیموں میں ایسے جکڑنا شروع کر دیا کہ ایک دنیا ان کے عمل کے تحت آ گئی۔ امریکہ سے یورپ تک (براستہ انگلستان) نیٹو کی تنظیم تھی۔ بحرِ روم میں امریکی بیڑہ تھا۔ اس کے شمالی اور جنوبی ساحلوں پر فوجی اڈے تھے۔ مشرقی بحرِ روم کے کنارے پر سامراج کا اڈہ اسرائیل تھا۔ ترکی، ایران (اور شروع شروع میں عراق) اور پاکستان میں سینٹو کی تنظیم تھی۔ ان ملکوں سے امریکہ کے علیحدہ فوجی معاہدے بھی تھے۔ جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا میں سیٹو کا ادارہ تھا۔ بحرِ ہند میں امریکی بیڑہ بھی آ پہنچا۔ اس سے آگے مشرقِ بعید میں اسرائیل جیسا اڈہ تائیوان کی صورت میں بن گیا۔ اس کے آس پاس امریکہ کا بحری بیڑہ۔ پھر امریکہ کے زیرِ اثر جاپان۔ اور جاپان سے امریکہ تک براستہ بحرالکاہل ہزاروں چھوٹے بڑے جزیروں پر فوجی اڈے۔ یوں زمین گول ہو گئی تھی اور یہ کرۂ ارض امریکی سامراج کے شکنجے میں تھا۔

سامراج کے اس عالمگیر محاذ میں جو رخنے اندرونی تضادات نے ڈالے ان سے قطع نظر اس محاذ کے لئے بہت بڑا خطرہ روس کی طرف سے نمودار ہوا۔ جنگ کی تباہ کاریوں کا براہ راست نشانہ بننے کے باوجود روس نے حیرت انگیز بحالی کا مظاہرہ کیا اور چند سالوں میں امریکہ کے برابر آکر آگے نکلتا دکھائی دیا۔ سٹالن کی وفات (۱۹۵۳ء) کے بعد سے روس میں ردِّ انقلاب کا عمل شروع ہو گیا اور مارکس اور لینن کے راستے سے ہٹ کر روس زاروں کے راستے پر چل نکلا۔ اب وہ اس راستے پر بہت دور نکل آیا ہے۔ مزاج اور کردار کے اعتبار سے سامراجی ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو سوشلسٹ کہنے اور کہلانے پر مصر ہے۔ امریکی سامراج کے مقابلے میں روسی سوشل سامراج آیا۔ یورپ میں روس کے زیر اثر جو مشرقی ممالک تھے انہیں نیٹو کے جواب میں "معاہدہ وارسا" سے منسلک کر دیا گیا اور روس کے جدید بحری جہاز دنیا بھر کے سمندروں میں دکھائی دینے لگے۔ روس کی تیاریاں حیران کن تھیں لیکن اس کے سامراجی اظہار کے لئے راستے ایسے ہی مسدود تھے جیسے زار کے وقت میں تھے۔ وہ یہ راستے کھولتا گیا اور ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف عربوں کی حمایت کا دم بھر کر وہ اپنے بحری بیڑے کو بحیرہ روم میں لے آنے میں کامیاب ہو گیا۔ روس امریکہ کا ہم پلہ ہونے لگا تو دونوں کے مابین سرد جنگ مفاہمتِ باہم کے تصور میں بدلنے لگی اور یوں دونوں سامراج ایک دوسرے کے معاون بننے لگے۔ ان کا باہمی تضاد باقی ہے اور باقی رہے گا لیکن اس اعتبار سے دونوں کے مفادات ایسے یکساں ہو گئے ہیں کہ دنیا کے کسی کونے میں سامراج کے خلاف بغاوت کے آثار دکھائی دیں۔ وہ اسے دبانے پر متفق ہوں گے اور ایک دوسرے کے راستے میں آنے سے گریز کریں گے۔ اسی بقائے باہمی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۶۷ء کی اسرائیلی جارحیت کے بعد روس کے وزیر اعظم اور امریکی صدر کی ملاقات ہوئی تو ایک اطلاع کے مطابق صدر نے تجویز پیش کی کہ دنیا کو آپس میں بانٹ لیا جائے۔ اس پر سمجھوتہ تو کیا ہوا ہوگا لیکن سامراج کی یہ دونوں زلفیں نہ الجھی رہ سکتی ہیں نہ سلجھائے سلجھ سکتی ہیں۔ ان کا جھگڑا بالآخر وہ مانگ چمکائے گی جو ایک لکیر کی طرح نمودار ہوتی دکھائی دینے لگی ہے۔ یہ مانگ سامراج کی شکار چھوٹی اور متوسط قومیں ہیں جو آزاد ہو کر اپنے اپنے من میں ڈوب ڈوب کر سراغِ زندگی پاتی جا رہی ہیں۔ ملک آزاد ہو رہے ہیں اور قومیں متحرک۔ انقلاب کے شعلے دور دور سے دکھائی دینے لگے ہیں۔ انسان اپنی تاریخی جدوجہد کے اس مرحلے میں داخل ہو گیا ہے جہاں وہ ان تمام زنجیروں کو توڑ پھینکے گا جو فرعونوں، قارونوں اور ہامانوں نے ہزاروں سالوں سے اسے پہنا رکھی ہیں۔ پھر کوئی طاقت اسے آگے بڑھنے اور اوپر اٹھنے سے روک نہیں سکے گی کیونکہ انسان کی ساری قوت اس ایک مقصد کے لئے پوری کی پوری استعمال ہونے لگے گی۔

جیسے روس عربوں کی حمایت کا دم بھر کے بحیرہ روم میں اپنا جنگی بیڑہ لانے اور رکھنے میں کامیاب ہو گیا اسی طرح وہ بھارت کا ساتھ دے کر بحر ہند میں آ پہنچا ہے۔ بھارت کی توسیع پسندی کا پورا فائدہ اٹھا کر روس اس کا تنومند شکم بھرنے میں لگ گیا اور بھارتی بندرگاہوں اور بحری اڈوں کے استعمال کا حق حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چین کے اس کے تصرف میں نہ آنے کے بعد وہ برصغیر کو اپنا حلقۂ اثر سمجھتا ہے اور بحر ہند کو روسی جھیل۔ بھارت کے ذریعے "بنگلہ دیش" قائم کرا کے وہ خلیج بنگال کو اپنے تصرف میں لے آیا ہے۔ اب اس کی نظریں بحیرہ عرب پر ہیں تاکہ اس کا بیڑہ بحیرہ روم سے آگے بڑھ کر بحر ہند پر بھی چھا جائے۔ روس اس سلسلے کو جاپان تک لے جانے کے لئے کوشاں ہے۔ یہ اس کی دیوارِ چین ہے۔ وہ اس دیوار کے ذریعے چین کا راستہ روکنا چاہتا ہے۔ یہ راستہ روکنے کی کوشش اس لئے نہیں ہو رہی کہ چین بھی اپنا اثر و رسوخ ان علاقوں میں پھیلانا چاہتا ہے۔ چین ایسا نہیں چاہتا۔ وہ چھوٹے اور بڑے ملکوں میں کوئی امتیاز نہیں برتتا۔ وہ ہر ملک کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنے ہاں جو نظامِ زندگی چاہے رائج کرے۔ اس کے باوجود روس اور امریکہ چین کو حقیقی خطرہ سمجھتے ہیں۔ ان کے لئے خطرہ یہ ہے کہ چین نے انقلاب برپا اور کامیاب کر کے سامراج کی پسپائی کے یقینی سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ یہ پسپائی عالمگیر ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ اس لئے سامراج کے نقطۂ نگاہ سے ضروری ہے کہ چین کا راستہ روکا جائے۔

چین یعنی انقلاب کا راستہ امریکہ بھی روکنا چاہتا ہے اور روس بھی۔ اس مشترک مقصد نے ان کو ایک دوسرے کا حلیف بنا دیا ہے۔ لیکن ان کے اپنے اپنے مفادات ایسے ٹکراتے ہیں کہ سامراج کے یہ دونوں قریب ہونے لگتے ہیں تو جھٹکا لگتا ہے تقریباً ہر جگہ تعاون اور تضاد کا یہ طرفہ تماشہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ مشرق بعید میں جاپان ہے۔ اس کے چار شمالی جزیروں پر دوسری عالمی جنگ کے وقت سے روس کا قبضہ ہے اور باقی جاپان پر امریکہ کا تسلط چلا آرہا ہے۔ امریکہ جاپان سے بے دخل ہونے کے لئے تیار نہیں۔ ایک اس لئے کہ وہ جاپانی اڈے اپنے سامراجی عزائم کے لئے اپنی تحویل میں رکھنا چاہتا ہے دوسرے وہ جاپان کو سامراجی آلہ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت جاپانی حکمرانوں کا مزاج ویسا ہی سامراجی ہے جیسا دوسری عالمی جنگ سے پہلے تھا۔ جاپان جنوب مشرقی ایشیا کو اپنی سلطنت سمجھتا ہے اور دولت اور تجارت کے زور پر اس علاقے کی بالادست قوت بننا چاہتا ہے۔ امریکہ جاپانی سامراج کو اپنا ذیلی سامراج سمجھ کر اس کی پشت پناہی کر رہا ہے لیکن عالمی سطح پر بالعموم اور اس علاقے میں بالخصوص اسکے کاروباری مفادات جاپان سے متصادم ہونے لگے ہیں۔ جاپان کئی منڈیوں سے امریکہ کو بے دخل کر رہا ہے۔ اور تو اور امریکہ کے اندر امریکہ کو جاپان سے شدید مقابلہ درپیش ہے۔ امریکہ اپنی سامراجی پالیسیوں کی وجہ سے دن بدن گوناگوں معاشی مشکلات کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ ان مشکلات سے وہ بچ نہیں سکتا۔ یہ سامراج کا پھل ہے۔ اور جب تک امریکی ذہن سے یہ خناس دور نہیں ہو جاتا اس کی مشکلات ختم نہیں ہو سکتیں۔ اسکی ایک شکل یہ ہو گئی ہے کہ وہ ان مشکلات کے حوالے سے جو اقدام کرتا ہے اس کی زد جاپان پر پڑتی ہے۔ اس طرح جاپان اور امریکہ کے تضادات بڑھنے لگے ہیں اور دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو رہے ہیں۔

اس کشیدگی سے روس فائدہ اٹھانے لگا ہے۔ دوسری عالمی جنگ ۱۹۴۵ء میں ختم ہوئی تھی لیکن روس اور جاپان میں ابھی تک معاہدۂ امن طے نہیں پا سکا۔ یہ عکس ہے دونوں کے باہمی تضادات کا۔ اب روس جاپان کو شہ دے کر امریکہ سے دور کر رہا ہے اور اپنا اثر و رسوخ جاپان میں بڑھا رہا ہے۔ جاپان اور جاپان میں روس کا اثر و نفوذ دونوں خلاف چین حربے ہیں۔ روس بڑی تیزی سے سامراجی راستوں پر چلنے لگا ہے۔ وہ اب بھی غلط نظام کی بدولت جن اندرونی مشکلات سے دوچار ہے ان میں مزید اضافہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ بھی امریکہ کی طرح جاپان کو اپنا سہارا اور ذیلی سامراج بنانا چاہتا ہے۔ روس جاپانی سرمائے اور ٹیکنالوجی کو اپنے ہاں مدعو کر کے اپنی معیشت کو سنبھالا دینا چاہتا ہے۔ روس اور جاپان کے مفادات کی ہم آہنگی کا یہ عالم ہے کہ اس سال جنوری میں روسی وزیر خارجہ نے جاپان کا دورہ کیا تو "بنگلہ دیش" تسلیم کرنے کا سوال بھی موضوع گفتگو بنا۔ جاپان کے ایک اخبار کے الفاظ میں "روس جاپانی روسی تعلقات بہتر بنا کر ایشیا میں اپنا اثر مضبوط کرنا چاہتا ہے۔"

جیسے جاپان کے لئے امریکہ اور روس میں مقابلہ شروع ہے اسی طرح برصغیر کے لئے مقابلہ شروع ہے۔ چین کے سوشلسٹ ہو جانے سے برصغیر کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اب ایشیا کی قسمت کا فیصلہ یہیں ہو گا۔ یہاں ایک عرصہ امریکہ کا اثر غالب رہا۔ آہستہ آہستہ روس بھارت میں اپنے قدم جمانے میں ایسا کامیاب ہو گیا ہے کہ اب بھارت پر غالب اثر روس کا ہے۔ "بنگلہ دیش" میں بھارت کو کامیاب کرا کے روس نے بھارت اور خلیج بنگال میں اپنا راستہ بھی صاف کر لیا ہے اور بھارت کو اپنا اور زیادہ دست نگر بھی بنا لیا ہے۔ اب برصغیر اور بحر ہند کے لئے امریکہ اور روس میں مقابلہ ہے۔ "بنگلہ دیش" کے قیام میں روس نے جس ڈھٹائی سے مدد دی اس سے بھارت میں امریکی وقار اور اثر کو ٹھیس پہنچی ہے۔ امریکہ اس کوشش میں ہے کہ اس کا اثر بحال ہو کیونکہ اس کا اثر بڑھے گا تو روس کا اثر کم ہو گا اور روس کا اثر بڑھیگا تو امریکہ کا اثر کم ہو گا۔ آجکل امریکہ بھارت سے تعلقات بہتر بنانے میں لگا ہوا ہے۔ اس نے "بنگلہ دیش" کو بھی تسلیم کر لیا ہے تاکہ اس علاقے میں اس کی موجودگی برقرار رہے۔ وہ اس علاقے میں موجود رہا تو کچھ کر بھی سکے گا۔

اس طرح وہ اپنا اثر و رسوخ بحال کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوگا یہ دیکھا جائیگا۔ اسکے سامنے ایک اور صورت بھی ہے۔ چین اور روس کے تضادات شدت اختیار کر چکے ہیں۔ روس چین سے مفاہمت کر بھی لیتا لیکن انکے مابین نظریاتی اختلافات ایسے ہیں کہ ان سے متعلق سمجھوتہ خارج از بحث ہے۔ روس سوشلسٹ نہیں رہا لیکن اپنے آپ کو سوشلسٹ اور سوشلسٹ دنیا کا قائد کہلانے پر مصر ہے۔ چین قیادت کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن روس کو سوشلسٹ تسلیم نہیں کرتا۔ روس برصغیر میں چین کا راستہ روک رہا ہے چین کا راستہ روکنے کا مطلب انقلاب کا راستہ روکنا ہے۔ یہ راستہ ایسا ہے کہ روکنے سے اور کھلتا ہے۔ برصغیر میں پچیس سال کی آزادی نے یہ ثابت کر کے دکھا دیا ہے کہ استحصال کا سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام ان مصائب کا حل نہیں جن سے عوام دوچار ہیں اور جن میں اس نظام کی بدولت روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی کا نتیجہ وہ ہمہ گیر اضطراب ہے جس کا مظاہرہ شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ اضطراب بھارت کے بعض صوبوں میں ہی نہیں مشرقی پاکستان تک میں مسلح جدوجہد کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس انقلابی جدوجہد کو چین نوازی کہا جاتا ہے۔ یہ انقلاب چین نہ لا رہا ہے نہ لا سکتا ہے۔ یہ غلط نظام کے روز افزوں مفاسد کے خلاف بے ساختہ ردعمل ہے۔ اسے چین سے منسوب کیا جا سکتا ہے اور اس کے بزعم خود چین کا راستہ روکنے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے اصل اضطراب میں اضافہ تو ہو سکتا ہے کمی نہیں ہو سکتی۔ یہ اضطراب انقلاب ہی سے ختم ہو سکتا ہے اور ہوگا۔ لہٰذا چین کا راستہ روکنا انقلاب کا راستہ روکنا ہے اور انقلاب کا راستہ روکنا اضطراب میں اضافہ کرنا ہے اور اضطراب میں اضافہ کرنا اسے دبانے کی تمام کوششوں کو ناکام بنانا ہے۔ یوں امریکہ اور روس کی چین کا راستہ روکنے کی کوششوں میں خرابی کی ایسی صورت مضمر ہے کہ ان کی کامیابی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ کوشش جاری رہے گی۔ بہرحال اسکے جاری رہنے میں امریکہ کو اس کا امکان نظر آتا ہے کہ برصغیر میں روس اور چین ایسے الجھ یا الجھا دیے جائیں کہ وہ آمادہ بر جنگ ہو جائیں۔ چین کا بھارت سے تضاد پہلے ہی کم نہ تھا۔ اب روس کے آجانے سے اس میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ چین پاکستان کا مخلص اور عملی دوست ہے۔ اس سے تضادات میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان تضادات کے پیش نظر یہ ناممکن نہیں کہ چین اور روس برصغیر میں ایک دوسرے سے لڑ پڑیں۔ وہ لڑیں تو ایک دوسرے کو نقصان پہنچائینگے اور اس اعتبار سے کمزور ہونگے۔ امریکہ ثالث بھی بن سکتا ہے اور ثالث بھی، جو صورت بھی ہو اس کی تقویت کا باعث بن سکتی ہے۔ امریکہ کی یہ سوچ بالکل بلاوجہ نہیں۔ یہ صورت ہو جائے تو اسے واقعی فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن وہ بھی اور روس بھی یہ سمجھتے ہیں کہ فیصلہ کن وہ اور انکی سامراجی چالیں ہیں۔ ان کے خیال میں ہوگا وہ کچھ جو وہ چاہیں گے اور کرینگے۔ در اصل برصغیر میں فیصلہ کن عنصر نہ امریکہ ہے نہ روس۔ فیصلہ کن عنصر اس علاقے کے عوام ہیں جو انقلاب بردوش میدان میں آتے جا رہے ہیں۔ یہ وہ انقلاب کی آگ بھڑکاتے جا رہے ہیں۔ یہ آگ ان کے لئے بالآخر گلزار بنے گی اور استحصال اور سامراج کو جلا کر راکھ کر دیگی۔ سامراج — روسی اور امریکی — جو چال بھی چلے گا اس سے یہ آگ اور بھڑکے گی اور ان کا خاتمہ کر دے گی۔ ان کے لئے مفر کسی طور نہیں۔ یہ انقلاب ابھر کر ان کی چالوں کو ناکام بنا دیگا یا انکی چالوں کے بطن سے انقلاب نمودار ہوگا۔ دونوں صورتوں میں ناکامی ان کی اور کامیابی انقلاب کی ہوگی۔

روس اور امریکہ مہیب طاقتیں ہیں۔ وہ طاقت کے زور پر بہت کچھ کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ لیکن طاقت کی منزل میں ایک چیونٹی بھی اسے بے بس کر دینے کا موجب بن سکتی ہے۔ روس نے مشرقی پاکستان میں جو کچھ کیا وہ قوت کی بدمستی میں اور قوت کے بل بوتے پر کیا۔ لیکن طاقت کی درماندگی طاقت سے دور نہیں ہو سکتی۔ بھارت نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کیا تو روس نے اس کی مدد کے لئے کچھ ہوائی جہاز اور جنگی عملہ مصر سے نکلوا کے بھیج دیا۔ اس سے مصر ہی نہیں دوسرے عرب ممالک نے بھی سخت اثر لیا۔ گویا روس نے مصر کو جو اسلحہ دیا وہ اسکی اپنی مدافعت کے لئے نہیں بلکہ روسی مصلحت کے مطابق ہے اور روس اسے مصر کے باہر جہاں چاہے لیجا کر استعمال کر سکتا ہے۔ روس اس ردعمل کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ اب وہ مغربی پاکستان میں بھارتی توسیع پسندانہ عزائم کامیاب ہونے دے تو اس کے تعلقات عربوں سے بگڑ جائینگے۔ وہ انکے پاس خاطر سے لغزش بہتنے پر مجبور ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ بدمستی میں ابھی کچھ کر ہے یا کر ائیگا نہیں۔ ہونے کو کچھ ہو سکتا ہے اور اس کی پیش بندی لازمی ہے لیکن

معاملہ کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ روس ان دنوں خاص طور پر اس فکر میں ہے کہ عربوں سے اسکے تعلقات بہتر ہو جائیں۔

امریکہ بنگلہ دیش کے راستے بھارت میں اپنا اثر بحال کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے "بنگلہ دیش" کو تسلیم کر کے وہاں اپنے قدم جمائے رکھنے کے انتظامات کئے ہیں اور بھارت کو بھی خوش کرنے کی کوشش کی ہے "بنگلہ دیش" اور بھارت دونوں کو امریکہ کے اس اقدام کی ضرورت بھی ہے اور خوشی بھی۔ روس امریکہ کی دلچسپی کو ناپسند بھی کرے تو روک نہیں سکتا نہیں چاہے گا۔ انقلاب کی مخالفت میں امریکہ اسکا حلیف ہو سکتا ہے حریف نہیں ہو گا۔ یہ سامراجی تضادات کی کرشمہ سازی ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بعض باتیں کی یا ہونے دیجاتی ہیں اور جب لوگ کی یا ہونے دیجاتی ہیں تو نتیجہ سامراج کے اختیار میں نہیں رہتا بلکہ فطرت کے بندھے ٹکے قانون کے مطابق نکلتا ہے۔ اسی لئے یہ صداقت ابھر کر سامنے آتی جا رہی ہے کہ عوامی انقلاب سے تاخیر تو کی جا سکتی ہے اسے روکا، دبایا اور ناکام بنایا نہیں جا سکتا۔ "بنگلہ دیش" میں سامراجی طاقتیں اپنے تضادات کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔

امریکہ مغربی پاکستان میں امداد کے زور پر اثر برقرار رکھ رہا ہے۔ وہ اس اثر کو مسلمان ممالک تک بھی بڑھا رہا ہے۔ معاہدوں کی یہاں استحصالی نظام برقرار رکھنا چاہتا ہے اور مسلمان ملکوں میں بھی۔ گویا اقبال نے روح مسلماں میں جو اضطراب اٹھتا دیکھا تھا اسے امریکہ دبائے رکھنا چاہتا ہے تاکہ اقبال ہی کے الفاظ میں ـــ ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں! اس امداد، دلچسپی اور کوشش سے امریکہ ایکطرف اپنے انقلاب دشمن عزائم پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے دوسری طرف دوستی کا دم بھر کے اپنی اسرائیل پرستی کو ممکن حد تک نظروں سے اوجھل کرنا چاہتا ہے۔ روس عربوں کی ظاہری حمایت کرتا ہے اور پاکستان کی مخالفت۔ امریکہ اسرائیل کی حمایت اور عربوں کی مخالفت کر رہا ہے لیکن پاکستان کی امداد کر رہا ہے۔ ان تضادات کی بھی قلعی کھلے بغیر نہیں رہ سکتی۔ حالات ان کا پردہ چاک کرنے پر آگئے ہیں۔ ان تضادات کی شکار قومیں بالآخر اپنے آپ میں اکسا و منظم و متحد ہو کر ان کا قلع قمع کر دینگی۔

عالم عرب سے آگے نکل کر یورپ پہنچیں تو تضادات کا وہی کھیل دکھائی دیگا جو جاپان سے شروع ہوا اور تمام راستے دکھائی دیتا رہا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد یورپ سرد جنگ کا مرکز بن کر آتش فشاں بن گیا تھا۔ جنگ کے دو حلیف امریکہ اور روس اپنے مشترک دشمن ہٹلر سے لڑتے ہوئے بھی ایک لحاظ سے ایک دوسرے سے لڑتے دکھائی دیتے تھے۔ جنگ ختم ہوئی تو دونوں بالکل ایک دوسرے کے روبرو ہو گئے امریکہ کا تسلط مغربی یورپ پر تھا اور روس کا مشرقی یورپ پر۔ جرمنی جیسا ملک بھی دو حصوں میں بٹ گیا اور اس کا دارالحکومت برلن بھی۔ یہ تقسیم ابھی تک برقرار ہے اور بظاہر اس کے خاتمے کی کوئی صورت نہیں۔ روس اور امریکہ اس حد تک یورپ میں روبرو ہیں کہ بارہا ایسے لگا کہ وہ آپس میں ٹکرا جائینگے تیسری عالمی جنگ ہوتے ہوتے رہی۔ چند سال یہی صورت رہی۔ پھر سرد جنگ کی جگہ بقائے باہم نے لی۔ اس بدلی ہوئی فضا میں توجہ یورپ سے ہٹنے لگی۔ امریکہ یورپ سے توجہ ہٹانا بھی چاہتا تھا کیونکہ یورپ دونوں جنگوں میں تباہی کا مرکز بنا تھا۔ چین سوشلسٹ ہوا تو امریکہ کو یورپ سے توجہ ہٹانے اور چین کی طرف متوجہ ہو کر ایشیا کو آئندہ جنگ کا میدان بنانے کا دلکش موقع ملتا دکھائی دیا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ وہ تماشائی بن کر برصغیر میں چین اور روس کو آپس میں لڑنے کا تصور بھی کر رہا ہے اور اس تصور کو حقیقت بنانے میں بھی کوشاں ہیں۔

روس بھی یورپ سے کسی حد تک بے فکر ہو کر ایشیا میں زیادہ الجھنے لگا اور ایشیا کے دو آتش فشانوں مشرق وسطیٰ اور برصغیر میں بہت حد تک دخیل ہو کر نمایاں کردار بن گیا ہے۔ گو روس اور امریکہ دونوں ایشیا میں زیادہ الجھ گئے ہیں لیکن اب وہ یورپ سے اس حد تک بے فکر نہیں جیسے پہلے تھے۔ اول تو دونوں کے آپس کے تضادات بہت نمایاں ہو رہے ہیں۔ دوسرے مشرقی یورپ اور مغربی یورپ کے آپس میں بھی اور علیحدہ علیحدہ اندر کے بھی تضادات ابھر کر شدید ہو گئے ہیں۔ امریکہ نیٹو کی حدود سے آگے بڑھ کر ایک (مغربی) یورپ کا خواب دیکھنے لگا

یورپی مشترکہ منڈی کی شکل میں اس خواب میں رنگ عمل بھی بھرا جانے لگا تو فرانس امریکہ کی قیادت سے باغی ہونے لگا اور روس سے براہ راست رابطہ اور تعلق پیدا کرنے لگا۔ فرانس نے برطانیہ کو امریکہ کے کارندے کی حیثیت سے منڈی میں قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ روس کو فرانس کی خودسری میں مغربی یورپ اور امریکہ کی قیادت میں انتشار کے آثار دکھائی دیئے لیکن وہ اس سے چنداں فائدہ نہ اٹھا سکا کیونکہ اس کی مشرقی یورپ کی سلطنت میں بھی انتشار اور بغاوت کے آثار رہویدا ہونے لگے۔ اور وہ خاص طور پر کوشاں ہے کہ حالات اسکے قابو میں رہیں کیونکہ وہ ایشیا میں زیادہ الجھ گیا ہے۔ اب وہ یورپ میں تصادم کے امکانات کم کرنا چاہتا ہے تاکہ ادھر سے اسے اطمینان حاصل رہے اور ایسا نہ ہو کہ اس کی توجہ ایشیا کی طرف ہو اور ادھر بغاوت ہو جائے۔ اب وہ ایک یورپ کی باتیں کرنے پر آ گیا ہے اور اپنے پہلے موقف کو چھوڑ کر اس نے مغربی جرمنی سے معاہدہ بھی کر لیا ہے۔ مغربی جرمنی کی پالیمان نے ابھی تک اس معاہدے کی توثیق نہیں کی اور اس کا امکان باقی ہے کہ توثیق نہ ہو۔ ایسا ہوا تو روس کو دوہری شکست ہوگی۔ اس نے اپنا موقف بدل کر معاہدہ کیا تو بھی قبول نہ ہو سکا۔ وہ مغربی یورپ سے مل رہا ہے یا اسے ساتھ ملا رہا ہے تو صرف اس خیال سے کہ مشرقی یورپ میں اسکے تسلط کے خلاف بغاوت نہ ہو سکے اور اگر کچھ گڑبڑ ہو تو یورپ آج کی طرح منقسم نہ ہو تاکہ اس سے روس کی "سلامتی" کو خطرہ لاحق نہ ہو سکے۔ روس کا سلامتی کا تصور خالصتاً سامراجی ہے۔ اسکی سلامتی کو مشرقی پاکستان کی صورت حالات سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ چنانچہ چین اس پر یہ تبصرہ کئے بغیر نہ رہ سکا کہ پاکستان اور بھارت کی سرحدیں ملتی تو چین سے ہیں لیکن ان کے اندر کچھ ہو تو اس سے سلامتی روس کی خطرے میں پڑتی ہے۔

یہ بحث اجمالی ہے۔ تفصیل کے لئے تو ایک کتاب چاہیئے۔ اس بحث میں افریقہ اور لاطینی امریکہ سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ تفصیل اپنی جگہ لیکن وہاں بھی سامراج کا وہی کھیل کھیلا جا رہا ہے جس کا جائزہ سطور بالا میں لیا گیا ہے۔ جو انقلابی عمل ہمارے سامنے جاری ہے اسے اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اس عمل کا ایک پہلو یہ ہے کہ آج کی دنیا میں ملک خود مختار ہو رہے ہیں، قومیں آزاد ہو رہی ہیں اور عوام انقلاب برپا کر رہے ہیں۔ "دھقان کا پرانا کھیل وہ دنیائے دوں" زیر و زبر ہو رہی ہے۔ اس عمل کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ سامراج پسپا ہو رہا ہے۔ اقبال کو تجرعلی تھی اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ "فرنگ رہگذر سیل بے پناہ میں ہے"۔ عوامی فتوحات اور سامراجی پسپائی کا یقینی عمل جاری ہو چکا ہے یہ جاری رہیگا۔ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ تا آنکہ یہ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور انسان اس "قیامت" (قیام انسانیت) کے مقام پر فائز ہوگا جس کے لئے ساری کائنات اربوں سالوں سے ارتقا پذیر چلی آ رہی ہے۔ نتیجہ یقینی طور پر یہی ہوگا لیکن یہ عمل طویل صبر آزما اور خونیں ہوگا۔ سامراج پسپا ہوگا اور ہوتا چلا جائے گا لیکن وہ جس قوت و دہشت کا مالک ہے اسکے پیش نظر وہ قدم قدم پر کشمکش کریگا اس جدوجہد میں ایسے مردان کار جہاد کی ضرورت ہوگی جو "حاضر و موجود سے بیزار" ہونگے اور "رَضِيتُم بِالْحَيٰوةِ" کی سطح سے بہت اوپر نکل آئے ہونگے۔ یہ مجاہد "الناس" سے ابھرینگے ہی نہیں "الناس" ہی ہونگے۔ یہ اقبال کے تصور کا حقیقی "سلطانی جمہور" کا زمانہ لانے کے موجب ہونگے اور ہر اس نقش کہن کو مٹا ڈالیں گے جو صدیوں سے انسانیت کی جبین کا ایسا داغ بن گیا تھا کہ اس پر نوشتہ تقدیر کا گمان ہونے لگا تھا۔ یہ معرکہ اپنی تمام تر خوفناکی کے ساتھ برصغیر میں لڑا جائے گا۔ اس محاذ پر انسانیت کو شکنجے میں کستے رکھنے والی زیادہ تر زنجیریں توڑ کر ختم کر دی جائینگی۔ یہ آنے والا دور کسی کے تخیل کی خلاقی نہیں نہ اسکے نقوش دھندلاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دور آئے گا بھی۔ لایا بھی جائے گا۔ اس لانے میں وہی اپنا کردار ادا کر سکیں گے جو اس کے تقاضے ابھی سے سمجھنے لگیں گے۔ اور تمام خداوندی کی راہ نمائی میں انہیں پورا کرنے کی پوری تیاری کرنے لگیں گے۔ خوش قسمت ہیں وہ "صد ہزار انجم" جو اپنے خون پاک سے یہ سحر پیدا کر دکھائینگے۔

(پ۔ج)

حقائق و عبر

۱۔ عُلماء بورڈ

ہم گزشتہ بیس پچیس سال سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ حضرات علماء کرام جو لگے بندھے الزام دیتے ہیں کہ حکومت ملک میں اسلامی قوانین نافذ نہیں کرتی، تو اس کا موزوں ترین جواب یہ ہے کہ حکومت مختلف فرقوں کے نمائندہ علماء حضرات کا ایک بورڈ تشکیل کر دے اور ان سے کہہ دے کہ وہ ایک معینہ مدت کے اندر پبلک لاز کا ایک ایسا ضابطہ مرتب فرما دیں جو تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ ان حضرات کے دعویٰ کی قلعی کھل جائیگی۔ بارے غنیمت ہوا کہ ہماری یہ آواز ایوانِ حکومت تک جا پہنچی اور مرکزی حکومت کے وزیر اطلاعات محترم کوثر نیازی صاحب نے اعلان فرمایا کہ

> حکومت پاکستان کے ضابطہ فوجداری کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانے کے لئے ایک بورڈ بنایا جائیگا جو ہر مکتب فکر کے علماء کے نمائندوں پر مشتمل ہوگا۔۔۔۔ مجوزہ بورڈ ایک خاص مدت کے اندر اپنی سفارشات حکومت کو پیش کرنیکا پابند ہوگا جن پر حکومت غور کریگی۔ (مشرق۔ [illegible])

ہم محترم کوثر نیازی صاحب کے اس مستحسن اقدام کو درخورِ تبریک و تہنیت قرار دیتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں ایک نکتہ وضاحت طلب ہے۔ اس اعلان میں کہا گیا ہے کہ علماء کے سپرد صرف "ضابطہ فوجداری" کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانے کا کام ہوگا۔ ملک کے مروجہ قوانین کو دو شقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) پرسنل لاز (شخصی قوانین)۔ اور (۲) پبلک لاز۔

پرسنل لاز کے متعلق علماء کا موقف وہی ہے جو ایک سیکولر حکومت کا ہوتا ہے یعنی یہ قوانین مختلف فرقوں کے اپنے اپنے ہونگے۔ دوسری شق پبلک لاز کی ہے جو تمام ملک کے لئے یکساں ہونگے۔ ظاہر ہے کہ پبلک لاز میں فوجداری اور دیوانی، دونوں قسم کے قوانین شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ تمام کے تمام قوانین علماء بورڈ کے سپرد کرنے چاہئیں نہ کہ ان کا صرف ایک حصہ۔ فوجداری۔ ہمارا خیال ہے کہ کوثر نیازی صاحب کے پیش نظر پورے کے پورے پبلک لاز ہونگے اور یہ غالباً رپورٹنگ کی غلطی ہے جو اسے ضابطہ فوجداری تک محدود کر دیا گیا ہے۔

محترم نیازی صاحب کے اس اعلان پر علماء حضرات میں سے تو کسی (فرد یا ادارہ) کا ردعمل ابھی سامنے نہیں آیا۔ البتہ روزنامہ مساوات نے اپنی [illegible] اپریل کی اشاعت میں اس پر ایک زیادہ نفتا حیہ شائع کیا ہے جسے ہم بمسرت درج ذیل کرتے ہیں۔

> وزیر اطلاعات مولانا کوثر نیازی نے لاہور میں فرمایا کہ وہ پاکستان کے تمام فقہی مذاہب کے علماء کا ایک نمائندہ بورڈ ترتیب دینگے تاکہ پاکستانی قوانین پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نظرثانی کی جا سکے۔ مولانا کا اعلان صدر بھٹو کے اس وعدے کی تعبیر ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان میں قرآن و سنت کے برعکس کوئی قانون وضع نہ کیا جائے گا۔ یہ بورڈ اپنی سفارشات

حکومت کے مطالعے اور فیصلے کے لئے ایک معینہ مدت کے اندر پیش کرے گا۔

اب تک پاکستان میں جتنی حکومتیں برسر اقتدار رہی ہیں ان میں سے ہر ایک نے اسلام کی عظمت کا اعتراف کیا اور وعدہ کیا کہ قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالا جائے گا مگر اب تک کسی کو عملی اقدام کی توفیق نہ ہوئی۔ یہ فضیلت اب حق نے مولانا کوثر نیازی کو بخشی اور ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے پاکیزہ مقصد میں کامیاب ہوں مگر ہمارے دل میں وسوسے ہیں اور خود مولانا بھی بے فکر نہ ہوں گے۔ اسلام میں کوئی تضاد نہیں، قرآن حکیم بھی سچائی کا ابدی خزینہ ہے مگر مسلمانوں کی تاریخ کی کھینچا تانی نے فقہی مسالک میں طرح طرح کے تضادات اور اختلافات پیدا کر دیئے ہیں۔ ہر مسلک قرآن اور سرورِ کائنات کو سند مانتا ہے مگر تفسیر و ترجمانی ہر ایک کی الگ ہے۔ ان حالات میں ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مولانا کوثر نیازی تمام علماء کے بحث و مناظرے کے ذریعے کس طرح ایک متحدہ اور متفقہ مسلک نکال لیں گے۔ یہ ہم مسلمانوں کی بدقسمتی ہے خود مولانا نے اقرار کیا ہے کہ اب تک جن ہم مذہبی تنظیموں نے اس سلسلے میں کام کیا ہے وہ نعرہ بازی تک محدود رہیں اور اسلامی مشاورتی کونسل اس کی محض ایک مثال ہے مگر ہمیں غلط نہ سمجھا جائے۔ ہماری رائے میں قرآن حکیم میں اسلامی طرزِ زندگی کے بارے میں واضح ارشادات موجود ہیں جن سے کوئی مسلمان اختلاف نہیں کر سکتا۔ پھر کیوں نہ ہم فقہی مسالک کے جھگڑوں کو چھوڑ کر اسی کا دامن پکڑیں اور اسکے بتائے ہوئے اصول اور معاشرتی مقاصد کی روشنی میں نیا اسلامی نظام قانون وضع کریں۔ صنعت و سرمایہ کے مسائل حضور سرورِ کائنات کے بعد کی پیداوار ہیں۔ فقہی مسالک ان کے بارے میں قیاس سے آگے نہیں جا سکتے۔ مگر قرآن حکیم کی روشنی میں اجتہادی فکر کے راستے کھلے ہیں۔ اگر بورڈ کی رکنیت فقہی علماء تک محدود رکھی گئی تو مولانا کا مقصد پورا نہ ہوگا۔ فقہ علماء کے علاوہ بھی ملک میں کچھ لوگ ہیں جو مطالبِ قرآن کا درک رکھتے ہیں اور ساتھ ہی وہ علوم جدیدہ اور مسائل حاضرہ سے بھی بے بہرہ نہیں۔ ہم مولانا سے درخواست کریں گے کہ وہ ان کی بصیرت سے بھی فائدہ اٹھائیں۔ جدید علوم سے آراستہ مسلمان آخر اسلام سے خارج تو نہیں ہیں۔ فہم اسلام صرف سند یافتہ علماء کے لئے مخصوص نہیں۔ پھر مولانا اس پر بھی غور فرمائیں کہ اگر فقہی مسالک کسی ایک نظریئے پر متفق نہ ہو سکے تو پھر کیا ہوگا۔ پھر بھی انہیں انہی سے رجوع کرنا پڑے گا۔ کیونکہ پاکستانی قوانین کو بہرحال اسلامی سانچے میں ڈھلنا ہے۔

موقر جریدہ مساوات نے جو یہ کہا ہے کہ ایک متفق علیہ ضابطہ قوانین مرتب کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ دیگر ماخذ کو چھوڑ کر صرف قرآن مجید کو اس کی بنیاد قرار دیا جائے۔ تو ہم اس پر جریدہ مذکور کی خدمت میں ہدیۂ تحسین و تبریک پیش کرتے ہیں۔ آپ نے غور فرمایا کہ طلوع اسلام کی اس پکار کی تائید اب مختلف گوشوں سے ہونی شروع ہو گئی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

البتہ جریدہ مذکور نے جو یہ مشورہ دیا ہے کہ زیرِ نظر بورڈ کی رکنیت علماء حضرات تک ہی محدود نہ رکھی جائے بلکہ اس میں ان حضرات کو بھی شامل کیا جائے جو قرآن مجید اور علوم جدیدہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، تو یہ مشورہ مزید غور کا محتاج ہے اس لئے کہ یہ ناممکن العمل ہے، بدیں وجوہ کہ

(۱) علماء حضرات قرآن خالص کو اسلامی قوانین کا ماخذ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوں گے۔

(۲) علماء حضرات کوئی ایسا ضابطہ قوانین قیامت تک مرتب نہیں کر سکیں گے جو تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ اور

(۳) یہ کسی ایسے شخص کو اپنے بورڈ میں شامل کرنے کیلئے رضامند نہیں ہوں گے جسے یہ "اپنے میں سے" نہ سمجھیں۔

(۴) اگر حکومت نے ایسا کر دیا تو یہ علماء حضرات لڑیں جھگڑیں گے تو خود آپس میں، اور اپنی ناکامی کا سارا الزام ان "غیر علماء" ارکان

سے مرعوب دینگے۔

لہٰذا مجوزہ بورڈ کو علماء حضرات تک ہی محدود رکھنا چاہیئے۔ جب یہ ایسا ضابطہ مرتب نہ کر سکیں گے تو پھر حکومت کوئی متبادل تجویز سوچے اور اختیار کریگی۔ ہرچند یہ حضرات اس وقت بھی فساد برپا کرنے سے باز نہیں آئینگے لیکن حکومت کیطرف سے اتمامِ حجت تو ہو جائے گا۔

اور ہمارا تو یہ خیال ہے کہ علماء حضرات حکومت کی موجودہ تجویز پر بھی لبیک نہیں کہیں گے۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان سے ایسا متفق علیہ ضابطہ قوانین کبھی مرتب نہیں ہو سکتا۔ وہ اس تجویز کو قبول نہیں کرینگے اور بدستور شور مچاتے رہیں گے۔ کہ —

دین مُلّا فی سبیل اللہ فساد!

——— (۰) ———

۲۔ فرقے نہیں مکاتبِ فکر

طلوعِ اسلام برسہا برس سے قرآن کریم کی وہ آیات پیش کرتا چلا آرہا ہے جن میں فرقہ بندی کو شرک اور کفر بتایا گیا ہے۔ اور رسول اللہ سے بالفاظ صریح کہا گیا تھا کہ جو لوگ دین میں فرقے پیدا کرلیں ان سے تیرا کوئی واسطہ نہیں (ملاحظہ فرمایئے۔ ۳۰/۳۱-۳۲؛ ۶/۱۶۰؛ ۳/۱۰۴) یہ (اور اسی قبیل کی دیگر آیات) اس قدر واضح اور مبین ہیں کہ مولوی صاحبان کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں۔ اب انہوں نے اپنی خفت مٹانے کے لئے ایک نیا حربہ وضع کیا ہے یعنی وہ اپنے فرقوں کو "فرقے" نہیں "مکاتبِ فکر" کہتے ہیں۔ اور اس طرح عوام کو یہ دھوکا دینے کی سعیٔ لاحاصل کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی ان آیات کا اطلاق "مکاتبِ فکر" پر نہیں ہوتا فرقوں پر ہوتا ہے۔ ان کی یہ مذموم کوشش اتنی بڑی جعلسازی ہے جس پر علم روتا اور دیانت ماتم کرتی ہے۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ مکتبِ فکر اور فرقہ میں کیا فرق ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے حقائقِ کائنات پر غور و فکر کی دعوت ہی نہیں دی بلکہ بار بار تاکید کی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب مجرد حقائق پر غور و فکر کیا جائے گا تو اس میں مختلف ادوار میں اور ایک ہی دور میں مختلف مفکرین کے نتائجِ فکر میں اختلاف ہوگا۔ فکری (فلسفیانہ) اختلافات عصرِ قدیم و جدید، مشرق و مغرب، مسلم و غیر مسلم وغیرہ میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اس قسم کے اختلاف مسلمان مفکرین کے ہاں بھی رونما ہوتے رہے اور ہوتے رہینگے۔ لیکن اس اختلاف سے اُمت میں تفرقہ پیدا نہیں ہوگا۔ ان فلاسفرز کے اختلاف کو مکاتبِ فکر (SCHOOLS OF THOUGHT) کہا جاتا ہے۔

اس کے برعکس فرقوں کی کیفیت یہ ہے کہ ایک گروہ احکامِ شریعت پر ایک طریق سے عمل کرتا ہے۔ دوسرا گروہ دوسرے طریق سے۔ اور چونکہ ان میں سے ہر گروہ اپنے اپنے طریقِ عمل کی بنیاد ایک خاص عقیدہ پر رکھتا ہے اس لئے عقیدہ اور عمل فرقہ کی بنیاد بن جاتا ہے۔ اس طرح امت عملی طور پر مختلف گروہوں میں بٹ جاتی ہے۔ یہ ہے جسے قرآن کریم نے "دین میں فرقہ" سے تعبیر کیا ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ ..... (۳۰/۳۱) اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ..... (۶/۱۶۰) دین میں تفرقہ، مذہبی فرقوں سے پڑتا ہے اور اس کی زندہ شہادت وہ تفرقہ ہے جو موجودہ فرقوں کی وجہ سے امت میں پیدا ہو چکا ہے۔ اس فرقہ بندی کو قرآن کریم نے شرک، کفر اور رسول اللہ کے ساتھ انقطاعِ تعلق سے تعبیر کیا ہے۔

اب آپ سوچیئے کہ موجودہ فرقوں کو مکاتبِ فکر کی اصطلاح سے تعبیر کرکے یہ کہنا کہ ان پر قرآنی آیات کا اطلاق نہیں ہوتا کتنی

بڑی خود فریبی یا ابلہ فریبی ہے۔ اس فریب سے آپ اپنے آپ کو دھوکا دے سکتے ہیں، عوام کو دھوکا دے سکتے ہیں، لیکن خدا کو تو دھوکا نہیں دے سکتے۔ رام داس کا نقش نام عبدالرحمٰن رکھ دینے سے وہ مشرک سے مومن نہیں ہو سکتا۔ مذہبی فرقے، مکاتبِ فکر (سوچ کے مختلف طور طریق) نہیں ہوتے، مختلف سُبل (چلنے کے مختلف راستے)[1] ہوتے ہیں اور جب ایک اُمت چلنے کے مختلف راستے اختیار کرے گی تو اس میں تفرقہ خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ دین، امت کو ایک سبیل (راستہ) پر چلاتا ہے۔ فرقے اس کے لئے مختلف راہیں تجویز کر دیتے ہیں۔

اور اسی سے قرآن کریم نے منع کیا تھا جب کہا تھا کہ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ۔ یہ ہے میرا سیدھا راستہ۔ سو تم اسی ایک راستہ کا اتباع کرو۔ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ۔ مختلف راستوں کا اتباع مت کرو۔ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ۔ (۶/۱۵۳) ایسا کرو گے تو یہ مختلف راستے تمہیں خدا کے راستے سے ہٹا کر الگ الگ کر دیں گے۔ مذہبی فرقے وہ سُبُلِ متفرقہ ہیں جو امت کو خدا کے راستے سے دور ہٹا کر الگ الگ راہوں پر چلاتے ہیں اور اس لئے شرک ہیں۔ توحید سے امت ایک راستے پر چلتی ہے۔ اس سے اس کی وحدت قائم رہتی ہے۔ جونہی امت فرقوں میں بٹی اس کی وحدت ختم ہوئی اور جب وحدتِ امت ختم ہوئی تو توحید بھی باقی نہ رہی۔ شرک آ گیا۔

(۰)

۴۔ جمعیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے

عروس البلاد کراچی کے ساحلِ سمندر کی تفریح گاہ (ہاکس بے) پر (شروع اپریل میں) دو کالجوں کے ہونہار طالب علم جس طرح خونخوار بھیڑیوں کی مانند سکول کی تین سو طالبات پر لپک پڑے اور اس کے بعد وہاں جو کچھ ہوا اس کے تصور سے کلیجہ شق ہو جاتا ہے۔ وحشت و درندگی اور بے حیائی و بے غیرتی کا یہ ایسا الم انگیز اور شرمناک حادثہ ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتی۔ ہم نے سمجھا تھا کہ یہ فطرت کی آخری تنبیہ ہے جس کے بعد قوم اس طرح یک آہنگ اُٹھ کھڑی ہوگی کہ اس کے بعد اس ملک سے بے حیائی اور درندگی کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ لیکن ملک کے مختلف گوشوں سے جو جو تاثرات اس وقت تک سامنے آئے ہیں وہ اس الم انگیز حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ — جمعیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے — سب سے پہلے اسے سیاسی رقابتوں کی تسکین کا ذریعہ بنایا گیا۔ چنانچہ برسرِ اقتدار پارٹی کے ترجمان — مساوات — نے اسی روز (۱۲ اپریل کو) اپنے افتتاحیہ میں لکھا۔

> ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جن کتوں کے گلوں میں زنجیر ڈالی گئی ہے وہ تمام کے تمام جماعتِ اسلامی کی طالب علم تنظیموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو شراب نوشی کی راہ پر جماعتِ اسلامی ہی نے لگایا اگرچہ نظریۂ پاکستان اور اسلام کے پاک نام پر لگایا۔ کراچی والے جانتے ہیں کہ اسلامیہ کالج اور ڈی جے کالج جماعتِ اسلامی کے گڑھ ہیں۔

یہ تو ہو گیا منفی پہلو۔ اس کے بعد تحریر ہے۔

> اگر ان میں بیس طلباء بھی اپنی بہنوں کی عزت کی حفاظت کرنے کا تہیہ کر لیتے تو یہ جرم ناممکن ہو جاتا۔ مگر کمزوروں کی مدد کرنے کے لئے بہادر ہونا، بہادر ہونے کے لئے شریف ہونا اور شریف ہونے کے لئے سوشلسٹ ہونا ضروری ہے۔

یعنی، شرافت، ساری کی ساری سوشلسٹوں کے لئے مختص ہو گئی۔ جو شخص سوشلسٹ نہیں وہ شریف نہیں ہو سکتا اور ہر سوشلسٹ شریف ہوتا ہے۔

---

[1] "مذہب" اور "شریعت" کے معنی راستے ہیں۔

مرکزی حکومت کے وزیرِ صحت شیخ رشید احمد صاحب نے فرمایا۔

> ہاکس بے کا انسانیت سوز واقعہ رجعت پسند عناصر، سرمایہ داری اور نوکر شاہی کی عوامی حکومت کے خلاف سازش کے نتیجے میں رونما ہوا ہے۔ (مساوات ۵ راپریل۔ بحوالہ چٹان ۱۰/۴)

صدارتی امور کے وزیر جے۔ اے۔ رحیم صاحب نے اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔

> اس وقت ملک متعدد قومی اور بین الاقوامی مسائل سے دوچار ہے لہٰذا عوام کو ایسی معمولی نوعیت کی باتوں کو مسئلہ نہیں بنانا چاہیئے۔ (چٹان ۱۰/۴)

ہمارا خیال ہے کہ رحیم صاحب نے صدر بھٹو کو بھی سخت سست کہا ہوگا کہ انہوں نے "ایسی معمولی نوعیت" کے واقعہ پر اپنی اور قوم کی طرف سے ان بچیوں کے والدین سے معافی کیوں مانگی!

اے کاش! رحیم صاحب کی کوئی اپنی بچی اس حادثہ میں ملوث ہوتی!

یہ تو تھے برسراقتدار پارٹی سے متعلق افراد۔ اب فریقِ مخالف کو لیجئے۔ نیشنل عوامی پارٹی کے جنرل سیکرٹری محمود الحق عثمانی صاحب نے کراچی سے شائع کردہ ایک بیان میں کہا ہے کہ

> لوگوں نے خواہ مخواہ اس واقعہ سے رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے۔ متعلقہ لڑکیوں اور ان کی استانیوں نے لڑکوں کو بالکل بے قصور قرار دیا ہے۔ اس لئے انہیں رہا کر دینا چاہیئے اور ایک جوڈیشل انکوائری کرنی چاہیئے۔ (پاکستان ٹائمز ۹/۴)

معلوم ہوتا ہے کہ عثمانی صاحب حال ہی میں روس سے آئے ہیں اس لئے انہیں ہنوز پاکستانی عورت کی نفسیات اور کیفیت کا کوئی علم نہیں۔ ان معصوم بچیوں کا اس واقعہ کے متعلق علانیہ شہادت دینا تو ایک طرف، یہ منہ چھپائی پھر رہی ہونگی کہ کوئی دوسرا بھی ان کا نام نہ لے دے۔ اس سے انہیں اپنا مستقبل جس قدر تاریک نظر آتا ہے اس کا اندازہ (عثمانی صاحب جیسوں کے سوا) ہر لڑکی کا باپ لگا سکتا ہے۔ باقی رہیں استانیاں سو انہیں وہ چار پانچ سو درندے کراچی کی گلیوں میں دندناتے پھرتے نظر آ رہے ہیں جن کے خلاف عثمانی صاحب چاہتے ہیں کہ وہ گواہی دیں ــــ جس قوم کے لیڈروں کی یہ حالت ہو، اس قوم کا خدا حافظ!

اب آگے بڑھیئے۔ مساوات نے لکھا تھا کہ یہ کتے جنہوں نے اس حرکت کا مظاہرہ کیا ہے جماعت اسلامی سے متعلق تھے۔ اب بجائے اسکے کہ جماعت اسلامی یہ کہتی کہ معاملہ عدالت تک پہنچ گیا ہے وہاں سے خود معلوم ہو جائیگا کہ مجرم کون ہیں، انہوں نے سرے سے اس واقعہ ہی کا انکار کر دیا چنانچہ جماعت اسلامی کی پارلیمانی پارٹی کے قائد پروفیسر عبدالغفور کے متعلق روزنامہ امروز کی ۱۱ راپریل کی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ

> انہوں نے ہاکس بے کے واقعہ کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے کہا کہ جو لوگ حقیقت سے آگاہ ہیں وہ میرے پاس آتے ہیں۔ انہوں نے اس واقعہ کے ظہور سے انکار کیا ہے۔

حالانکہ اس سے پہلے جماعت اسلامی کے امیر مودودی صاحب اس واقعہ کی شدید مذمت کر چکے ہیں۔ (بحوالہ ایشیا۔ ۹ راپریل ۱۹۷۲ء)

اب اگلی خبر سنیئے۔ پولیس نے ان لڑکوں میں سے قریب چالیس کو گرفتار کیا ہے۔ ان کے باقی ساتھیوں نے ــــ

> جنہیں اس سلسلہ میں موردِ الزام ٹھیرایا جا رہا ہے (اسلامیہ) کالج کے تینوں سیکشنوں کا نظم و نسق خود سنبھال لیا ہے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ گرفتار شدہ طلباء کی رہائی تک وہ کالج پر اپنا قبضہ برقرار رکھیں گے۔ انہوں نے کالج کے پرنسپل کو نکال کر کالج پر خود قبضہ کر لیا ہے۔ انہوں نے انتباہ کیا ہے کہ اگر ان کا مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا تو کالج کو جلا دیا جائیگا۔
>
> (روزنامہ امروز۔ ۱۱/۴)

شاباش ملت کے ہونہار فرزندو! شاباش!! کہاں ہیں وہ لیڈر صاحبان کرام جنہوں نے ۱۹۶۸ء کی فساد انگیزیوں میں طالب علموں کی پیٹھ ٹھونک ٹھونک انہیں یہ حربے سکھائے تھے۔ وہ آئیں اور اپنے ان لاڈلوں کو شجاعت اور بسالت کے تمغے دیں کہ وہ اپنے امتحانوں میں اعلیٰ پوزیشن لے کر کامیاب ہو رہے ہیں۔ مودودی صاحب نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں جو کچھ ہم نے پچیس سال میں بویا تھا اسی کو ہم کاٹ رہے ہیں ــــ پچیس سال کا علم تو بہت کم لوگوں کو ہوگا لیکن جو کچھ آپ حضرات نے تین سال اُدھر بویا تھا اس کا تو ایک ایک بیج اور اس کا لہلہانے والا ایک ایک کاشتکار قوم کے سامنے ہے اسے اب صرف خدا کے یومِ مکافات کا انتظار ہے جب ان لیڈروں کے گلے میں طوق و زنجیر ڈال کر انہیں عدالتِ خداوندی کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا ــــ اُن لیڈروں کو جو ملک کو اس بُری طرح نذرِ آتش کر کے نہایت معتبر بنے بیٹھے ہیں۔

اور اس کے بعد اپنے پریس کو لیجئے۔ یمن آباد سے دو معصوم بچیوں کا اغوا ہوا تو تین چار دن تک ہمارے اخبارات نے ایسا شور مچایا گیا ــــ سننے جہاں کا دردانہی کے جگر میں تھا۔ اس کے بعد ان میں ایک سطری خبر تک شائع نہیں ہوئی کہ اس واقعہ کے مجرموں کا کیا ہوا؟ اور یہی صورت باکس بے کا واقعہ اختیار کر رہا ہے۔ کیا قوم میں چند نفوس بھی ایسے نہیں جو صرف اس مقصد کو اپنا نصب العین قرار دے لیں کہ ملک میں جس قدر اس قسم کے واقعات رونما ہوں وہ ان کا تعاقب کریں اور قوم کو بتلاتے رہیں کہ اس باب میں کون کیا کر رہا ہے۔ اور مجرم کب کیفرِ کردار تک پہنچیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بحالاتِ موجودہ اس قسم کی کوئی تنظیم قوم اور ملک پر بڑا احسان کریگی۔

ــــــ (۰) ــــــ

بقیہ:- دین کے معاملہ میں محتاط رہیے

صفحہ ۵۱ سے مسلسل

وہ ایک قدم آگے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

ہم کسی ایسے اسلام کو ماننے کے لئے تیار نہیں جو ان بزرگانِ دین کو نہیں مانتا۔ (مشرق ۲۴/۴)

قرآن کریم نے اہلِ کتاب کو تنبیہ کی تھی کہ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (۴/۱۷۱)، اپنے دین میں غلو مت کرو۔ آپ سوچئے کہ اس سے بڑھ کر اور غلو کیا ہوگا جو کہا جائے کہ ہم کسی ایسے اسلام کو ماننے کے لئے تیار نہیں جو اس تعلیم کو نہیں مانتا جس کا نمونہ سابقہ صفحات میں آپ کے سامنے آچکا ہے۔ دین وہی دین حقیقی ہے جس کی نسبت خدا نے اپنی طرف کی ہے ــــ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ (۳/۸۳)۔ کیا یہ لوگ دین اللہ کے سوا کسی اور دین کی طلب کرتے ہیں؟ سو یاد رکھو کہ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (۳/۸۵)۔ سو کوئی دین اللہ کے سوا، کہ جسے الاسلام کہہ کر پکارا گیا ہے، کوئی اور دین طلب کرے گا، تو اس کا دین قبول نہیں کیا جائے گا ــــ

ہم محترم وزیر اطلاعات کی خدمت میں عرض کریں گے کہ وہ دیگر معاملات میں جو جی میں آئے کہیں، دین کے معاملہ میں احتیاط برتیں کہ یہ گوشہ بڑی ذمہ داری کا متقاضی ہے۔

ــــــ ــــــ

تباہیوں کا سیلاب اب بھی رُک سکتا ہے

اگر قوم کے نوجوانوں کے ذہن نشین کرا دیا جائے کہ:

(۱) پاکستان کی بنیاد کیا تھی؟

(۲) بانئ پاکستان۔ اقبالؒ۔ اور معمارِ پاکستان۔ قائداعظمؒ۔ نے اس مملکت کا تصور کیا دیا تھا؟

(۳) دو قومی نظریہ کیا ہے؟

(۴) نظریۂ پاکستان نہ فیل ہوا ہے، نہ کبھی فیل ہو سکتا ہے!

(۵) پاکستان اب بھی ایک قابلِ فخر مملکت بن سکتا ہے!

یہ موضوع ہے پرویز صاحب کی کتاب

قائداعظمؒ کے تصوّر کا پاکستان

کا جو ابھی شائع ہوئی ہے۔ کتاب اس قابل ہے کہ اسکا ایک نسخہ ہر اس گھر میں رہے جس کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہوں یا کر چکے ہوں۔

قیمت
دس روپے ۱۰/-

آپ اپنی کاپی جلدی منگا لیجئے۔
ورنہ پہلا ایڈیشن ختم ہو جائے گا!

ضخامت: ۳۲۸ صفحات — بڑی تقطیع۔ سفید کاغذ

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام ۲۵۔بی گلبرگ ۲ لاہور